تیری یہ بے وفائی تیری یہ کج ادائی ! — تیری ستم ظریفی کب تک یہ ہم سہیں گے !
آتا ہے جو یہاں وہ رہتا ہے تجھ سے نالاں — اک روز ہم بھی تجھ سے منہ پھیر کر چلیں گے
کر کچھ تو اب بھلائی مہماں ہم ہیں تیرے — جب ہوں گے تجھ سے رخصت پھر ہم نہیں ملیں گے
تو ہم سے گر خفا ہو پرواہ نہیں ہے ہم کو — مالک ہو ہم سے راضی جس کے یہاں رہیں گے
بھیجا تھا اس نے ہم کو تیرے یہاں یہ کہہ کر — جب ظلم ہوگا تجھ پر انصاف ہم کریں گے

انصاف کیا ہو بہتر یہ ظلم کی ہے بانی
جو کچھ ستم کرے گی سب کچھ وہ ہم سہیں گے

۱۳

مایوس مت ہو اے دل دستِ دعا اُٹھا کر — پھیرے گا وہ نہ خالی در سے تجھے بلا کر
تھم جا ذرا نہ گھبرا ابرِ کرم ہے چھایا — آئے گا تھم تھما کر برسے گا جھم جھما کر
ضائع نہیں وہ کرتا محنت کبھی کسی کی — دے گا ضرور اک دن ہاں تو نہ گڑگڑا کر
ظاہر میں دور ہے وہ پر ہے قریب سب سے — ساری خبر ہے اس کو جو چاہے تو دُعا کر
کچھ یاد بھی ہے تجھ کو کب کب تجھے سنبھالا — کن کن مصیبتوں سے آخر بچا بچا کر
تیری یہ آہ و زاری تیری یہ بے قراری — اس کو بہت ہے پیاری دیتا ہے وہ رلا کر

رہنا کبھی نہ غافل دم بھر بھی اس سے بہتر
ہر دم خدا خدا کر، ہر دم خدا خدا کر

محمد ثانی ایڈیٹر پرنٹر و پبلشر نے تنویر پریس امین آباد لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر رضوان گوئن روڈ لکھنؤ سے شائع کیا۔

خواتین کے لئے

ماہنامہ

رضوان

لکھنؤ

مدیر
محمد ثانی حسنی

معاونہ
امۃ اللہ تسنیم

۳۷، گوئن روڈ، لکھنؤ

Regd L 197

MONTHLY RIZWAN LUCKNOW

ماہنامہ رضوان

۳۷ گوئن روڈ لکھنؤ

بچوں کی قصص الانبیاء

نور الایمان

ہدیۂ سلام

ایک

اہم دینی دعوت

مسلمان خواتین کا دینی اور اخلاقی ترجمان

جریدہ
۳۱۶۰
۵۹۲۹۹

ماہنامہ

رضوان

لکھنؤ

جلد ۱۲

بابت نومبر، دسمبر ۱۹۶۸ء مطابق شعبان، رمضان ۱۳۸۸ھ

شمارہ نمبر ۱۱-۱۲

خاص شمارہ

بتذکرۂ

محترمہ خیر النساء بہتر

مدیر
محمد ثانی حسنی

معاون
امۃ اللہ تسنیم

قیمت: ایک روپیہ ۵۰ پیسے

فہرست مضامین

خدا کے نام سے	محمد ثانی حسنی	۳
باب اوّل:-		
والدہ مرحومہ کی یاد میں	مولانا سید ابوالحسن علی ندوی	۹
باب دوم:-		
اماں بی (دُعا، مناجات اور اقوال کے آئینہ میں)	محمد الحسنی	۴۹
سراپا شفقت و رافت	مولانا سید ابوبکر حسنی	
ایثار و قربانی اور صبر و رضا	امۃ العزیز	۶۶
عادات و معمولات	امۃ اللہ تسنیم	۷۰
مجربات و عملیات	سید محمد سالم ہسوی	۷۴
زندگی کے آخری ایام	محمد ثانی حسنی	۷۷
مقدمہ باب رحمت	مولانا حکیم ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب رح	۸۹
منتخب مناجاتیں	محترمہ خیر النساء صاحبہ بہتر	۹۷

خدا کے نام سے

دُنیا کے ہر آدمی کو خواہ مرد ہو یا عورت، اس بات کی خواہش اور آرزو رہتی ہے کہ اس کو دنیا میں سکون و راحت اور عیش و آرام کی زندگی میسر آئے اس کے لئے وہ محنت کرتا ہے، صبح سے شام تک دوڑ دھوپ کرتا ہے اور خون پسینہ ایک کرتا ہے، وہ دولت حاصل کر لیتا ہے، عزت کا اونچا مقام پا لیتا ہے، اور اونچے سے اونچے عہدہ پر فائز ہو جاتا ہے، قوت و توانائی کی نعمت سے سرفراز ہو جاتا ہے، مگر وہ زندگی جس میں راحت ہی راحت ہو اور دل کا چین اور ذہن و دماغ کا سکون میسر ہو بہت ہی کم نصیب ہوتی ہے یہ اچھی زندگی (حیات طیبہ) نہ صرف دولت سے حاصل ہوتی ہے نہ عزت و وقار سے نہ قوت و توانائی سے اور نہ بڑے سے بڑے عہدہ یا وزارت و بادشاہت سے. جن کی نظر دنیا کی محدود زندگی پر نہیں رہتی جن کو جسمانی سکون و راحت کے ساتھ ذہن و دماغ اور دل کا چین و آرام اور سکون و قرار بھی مطلوب ہوتا ہے اور دُنیا کو پرسکون بنانے کے ساتھ ساتھ آخرت کی جنت بھی حاصل کرنے کی فکر ہوتی ہے اور ہر دم وہ ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ و فی الاخرۃ حسنۃ و قنا عذاب النار (اے ہمارے رب ہم کو دنیا میں بھی بہتری عطا فرما اور آخرت میں بھی اور ہم کو آگ کے عذاب سے محفوظ رکھ) پڑھتے رہتے ہیں.

ایسے لوگ وہ ہوتے ہیں جن کو اللہ تعالےٰ ایمان و یقین اور عمل صالح کی دولت سے

مالا مال کرتا ہے، یہی وہ دولت ہے جو دنیا کے مصائب کا مقابلہ کرنے کی طاقت دیتی ہے، گدائی میں بادشاہی، فقر و فاقہ میں کیف و سرور بخشتی ہے۔ جن مردوں اور عورتوں کو خدا یہ دولت دیتا ہے ان کو جیتے جی اطمینان و سکون، آسودگی و خوش حالی اور مرنے کے بعد اپنے مالک کی رضامندی نصیب ہوتی ہے وہ دنیا میں رہتے ہوئے بھی جنت کا مزہ حاصل کرتے رہتے ہیں۔ اور اپنے چاہنے والے مالک سے ملنے کے مشتاق رہتے ہیں اور دست بکار دل بیار کے مصداق بنے رہتے ہیں وہ جب تک دنیا میں رہتے ہیں یاد الٰہی میں مست و سرشار رہتے ہیں اور جب خدا کے یہاں جانے لگتے ہیں تو دنیا چھوڑنے کا ادنیٰ غم بھی نہیں ہوتا۔ بلکہ ہنستے مسکراتے اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر دیتے ہیں۔ اور ان کا پیدا کرنے والا محبت اور رضا کے ساتھ ان کا استقبال کرتا ہے اور قرب و دوام نصیب فرماتا ہے۔ اسی دولت اور اس کے نتیجہ میں "حیات طیبہ" اور مغفرت و رحمت کی ضمانت خدا اس طرح دیتا ہے۔ من عمل صالحاً من ذکراً وانثیٰ وھو مومن فلنحیینہ حیاۃ طیبۃ ولنجزینھم اجرھم باحسن ماکانوا یعملون (جس نے نیک کام کیا چاہے وہ مرد ہو یا عورت اس صورت میں کہ وہ مومن ہو تو اس کو ہم اچھی زندگی دیں گے اور ان کو اچھا اجر دیں گے بہتر کاموں کے بدلے جو وہ کرتے تھے)

جہاں تک ہمارے علم و مشاہدہ کا تعلق ہے اللہ نے محترمہ خیر النساء صاحبہ بہتر کو یہ عزیز دولت عطا کی تھی اور اس کے نتیجہ میں "حیات طیبہ" کی نعمت سے نوازا تھا اور یقین کامل ہے کہ اللہ نے اپنے یہاں بلا کر بہترین اجر و ثواب سے بھی سرفراز کیا ہوگا اللہ جن کو بھی یہ دولت اور اس کے صدقہ میں حیات طیبہ اور رحمت و مغفرت کی نعمت عطا فرماتا ہے اس کی زندگی دوسروں کے لئے مثال اور اسوۂ حسنہ کا کام دیتی ہے اسی کے پیش نظر یہ خصوصی شمارہ پیش خدمت ہے تاکہ دوسری خواتین اور مرد مرحومہ کی زندگی کے حالات پڑھ کر اسی حیات طیبہ کے متلاشی بنیں اور جانے والی بی بی کی مغفرت کیلئے بارگاہ الٰہی میں دست بدعا ہوں۔ مرحومہ مغفورہ کے ہی ایک مصرعہ پر ان سطور کو ختم کرتا ہوں "باب رحمت کھول دے خیر النساء کے واسطے"

بشارت

يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ

ارْجِعِي إِلَى رَبِّكِ رَاضِيَةً

مَرْضِيَّةً فَادْخُلِي فِي

عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّتِي

(سورۃ الفجر، پارہ عم)

دعائے رحمت

اے مرے مولا مرے پروردگارِ ذوالجلال
مغفرت فرمائیے خیر النساء کی بال بال

اپنی بہتر کو عطا فرمائیے بہتر مقام
اپنی رحمت اور رضا کے سایہ میں قربِ دوام

رحم و رأفت کی دعائیں کی ہیں جس نے دم بدم
اس پہ وا فرمائیے فردوس کا بابِ کرم

دعاگو: —— عبدالرب صوفی

بابِ اوّل

والدہ مرحومہ کی یاد میں

ابوالحسن علی ندوی

والدہ صاحبہ مرحومہ

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

حضرت شاہ ضیاء النبیؒ

میرے نانا حضرت سید شاہ ضیاء النبی رحمۃ اللہ علیہ حضرت شاہ علم اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی ساتویں پشت میں ہیں جو اپنے زمانہ کے اولیائے کاملین میں تھے اور نہایت متبع سنت اور حامی شریعت بزرگ[1] تھے۔ حضرت شاہ ضیاء النبی صاحب بھی بڑے پایہ کے بزرگ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو دینی و دنیوی دولتیں عطا فرمائی تھیں۔ حضرت سید احمد شہیدؒ کے سلسلے میں آپ کو اجازت و خلافت حاصل تھی، مریدوں میں بڑے بڑے عالم اور بزرگ شامل تھے ان کو جو دیکھتا اس کو یہ محسوس ہوتا کہ اللہ نے ان کو صرف اپنی یاد کے لئے اور آخرت کی تیاری ہی کے لئے پیدا کیا ہے ان کی نماز خاندان اور قرب و جوار میں ضرب المثل تھی۔ نماز کی نیت باندھ کر ان کو دنیا و مافیہا کی خبر نہیں ہوتی تھی۔ آخر عمر میں جسم میں رعشہ ہو گیا تھا چلتے تھے تو ہر قدم پر یہ خیال ہوتا تھا کہ اب گرے، تب گرے لیکن جہاں صف میں کھڑے ہوئے اور امام نے تکبیر کہی تو پھر معلوم ہوتا تھا کہ ایک ستون کھڑا ہوا ہے جس کو جنبش نہیں۔ کبھی کبھی شبینہ میں شرکت کی اور پورا قرآن شریف کھڑے ہو کر

---

[1] حضرت شاہ علم اللہ صاحبؒ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے جلیل القدر خلیفہ حضرت سید آدم بنوری کے ممتاز خلفاء میں تھے آپ نے ۱۰۹۶ھ میں رحلت فرمائی انھیں کے نام سے رائے بریلی شہر کے باہر لب دریا ایک نئی بستی "دائرہ شاہ علم اللہ" کے نام سے مشہور ہوئی آپ کی پانچویں پشت میں ہندوستان کے مشہور مجاہد اور مصلح حضرت سید احمد شہید ہوئے ہیں شاہ صاحب کا تذکرہ مولانا غلام رسول مہر کی کتاب "سید احمد شہید" اور راقم کی کتاب "سیرت سید احمد شہید" میں دیکھا جا سکتا ہے۔

سُنا۔ اچھے اچھے نوجوانوں کو دیکھا گیا کہ کوئی تھک کر بیٹھ گیا، کوئی سلام پھیر کر الگ ہو گیا اور کوئی چکرا کر گر گیا۔ مگر وہ ہیں کہ جیسے کسی نے کوئی لکڑی گاڑ دی ہے کہ اپنی جگہ کھڑی ہے۔ ایک نماز پڑھ کر بس دوسری نماز کے انتظار اور شوق ہی میں رہتے۔ صحبت میں ایسی تاثیر تھی کہ جو شخص چند دن ان کے حلقہ میں بیٹھا اس کو بھی نماز اور اتباع سنت سے شغف ہو گیا۔ اور وہ بھی ایک نماز پڑھ کر دوسری نماز کے انتظار و اشتیاق میں رہنے لگا۔ بڑے بڑے واقعات ہو جاتے، ان کے سکون، اللہ کے ساتھ تعلق اور مشغولیت میں کچھ فرق نہ آتا۔ ایک بار تلاوت کر رہے تھے، جوان اور صاحب اولاد بیٹی کے انتقال کی خبر آئی، "انا للہ" پڑھی پھر مشغول ہو گئے۔

ان کو اپنے والد سے بہت بڑی جائداد ترکہ میں ملی تھی، کئی مسلم گاؤں تھے جن میں صرف وہ اور ان کے بڑے بھائی سید رشید الدین صاحب مرحوم شریک تھے۔ ابتدائی انگریزی عملداری کا زمانہ ارزانی اور اشیاء کی فراوانی کا دور، ہر طرح کی فراغت اور فراخی حاصل تھی لیکن ان کو عبادت الٰہی کے علاوہ صرف ایک ہی چیز کا شوق تھا، وہ دینی کتابوں کا۔ جہاں کہیں کسی دینی کتاب کا اشتہار دیکھا فوراً فرمائش روانہ کی اور پھر اس کے انتظار میں دن گننے لگے۔ یہ شوق اتنا بڑھا ہوا تھا کہ ایک مرتبہ کسی کتاب کا انتظار تھا اور کسی صاحبزادی[1] یا عزیز قریب کی تدفین میں شریک تھے۔ اپنے چھوٹے صاحبزادے حافظ سید عبید اللہ صاحب سے کہا کہ "عبید! ابھی تک وہ کتاب نہیں آئی؟" لوگوں کو تعجب ہوا کہ اس موقع پر بھی ان کا دل کتاب میں لگا ہوا ہے اور یہاں بھی ان کو اسی کی فکر ہے۔ جائداد کے انتظام سے ان کو کوئی سروکار نہ تھا جب تک بڑے بھائی زندہ رہے وہ جزو کل کے ذمہ دار اور مختار رہے ان کے انتقال کے بعد ان کے بڑے صاحبزادے اور نانا صاحب کے بڑے بھتیجے مولوی سید خلیل الدین صاحب مرحوم منتظم اور ذمہ دار قرار پائے۔ نانا صاحب کو صرف کتابوں کی خریداری کے لئے رقم کی ضرورت رہتی تھی۔ یا اپنے چھوٹوں کو کچھ دینے لینے کیلئے باقی ان کا کوئی خرچ نہ تھا باوجود اس کے کہ جائداد کی ہزاروں روپیہ کی آمدنی تھی لیکن وہ صرف دس روپیہ ماہوار لیتے تھے۔ مریدوں کے معاملہ میں بھی یہاں حساب الٹا تھا بجائے اس کے کہ عام پیروں کی طرح وہ شہروں کا دورہ کریں اور مریدوں کے یہاں جائیں اور ان کے نذرانے وصول کریں۔ مریدین (جن میں امراء، غرباء اور علماء و عوام ہر طبقے کے لوگ ہوتے تھے) ان کے یہاں

[1] کوئی ہمشیرہ نہیں تھیں۔

مہینوں، ہفتوں مہمان رہتے، کبھی شاذ و نادر اگر کہیں جانا ہوتا تو جون پور جہاں ان کے ایک محبوب مرید مولوی مکی صاحب[1] رہتے تھے، تشریف لے جاتے۔ والدہ مرحومہ فرماتی تھیں کہ میاں مولوی مکی صاحب کے آنے سے سب سے زیادہ خوش ہوتے تھے ان کے آنے سے بڑی رونق اور چہل پہل پیدا ہو جاتی تھی ان کو اور ان کے سارے خاندان کو نانا صاحب سے بڑا تعلق تھا۔ اور یہ تعلق آخر تک قائم رہا۔

خاندان کی بیبیاں

وہ بھی زمانہ بڑی خیر و برکت کا تھا، بزرگوں کے اثرات خاندان میں پورے طور پر موجود تھے۔ نانی صاحبہ (میری والدہ کی والدہ) بڑی راسخ العقیدہ خوش اوقات، صالحہ عابدہ، اور بہت فہیم و زیرک بی بی تھیں۔ چھوٹی عمر میں ان کی شادی ہو گئی تھی۔ نانا صاحب نے ان کو مزید تعلیم دی۔ دینی کتابوں کا مطالعہ ان کا اس زمانہ کے رواج و معیار کے لحاظ سے دوسروں سے زیادہ تھا۔ لوگ اہم معاملات میں ان سے مشورہ لیتے تھے اور ان کی رائے بہت وقیع سمجھی جاتی تھی۔ اس زمانہ میں خاندان میں دو بی بیاں اپنی تعلیم، دینی واقفیت اور عقل و شعور میں ممتاز سمجھی جاتی تھیں۔ ایک میری نانی صاحبہ، دوسری میرے دادا مولوی حکیم سید فخر الدین صاحبؒ کی والدہ فاطمہ بی بی جو مولانا محمد ظاہر صاحب (خلیفہ حضرت سید احمد شہیدؒ) کی صاحبزادی تھیں اور رشتہ میں میری والدہ کی پھوپھی ہوتی تھیں، ان کے متعلق میرے دادا مولوی حکیم سید فخر الدین صاحب تذکرۃ الابرار میں لکھتے ہیں۔

> میری والدہ ماجدہ اپنے والد بزرگوار کی تربیت یافتہ تھیں۔ ابتدائے شعور سے وفات تک فرائض و سنن کے علاوہ اوابین، چاشت، اشراق، شش عید، عشرہ محرم، ذی الحجہ اور دیگر ایام کے روزے ان کی زندگی کے معمولات میں داخل تھے نیز تلاوت قرآن، فقہ و حدیث کی کتابوں کا مطالعہ، دلائل الخیرات، حزب الاعظم، حزب البحر اور دوسری کتابوں کا ورد بڑے اہتمام سے تھا۔ اس کے علاوہ ترجمہ مشارق الانوار و مشکوٰۃ المصابیح، مفتاح الجنۃ، ضمان الفردوس، حکایات الصالحین، طب احسانی، طب نبوی، معدن الجواہر، شفاء، رسالہ خوان نعمت و منس جواہر

[1] اصلی نام ابو الخیر تھا مکہ مکرمہ میں ولادت ہونے کی وجہ سے مولوی مکی مشہور تھے ان کے والد حضرت مولانا سخاوت علی صاحب جونپوری اپنے زمانہ کے جید عالم اور مشہور مدرس اور حضرت سید احمد شہیدؒ کے خلیفہ خاص تھے، مولوی مکی صاحب کے نامور صاحبزادے مولانا ابوبکر محمد شیث فاروقی عرصہ تک مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے ناظم دینیات رہے۔

وغیرہ بھی برابر مطالعہ میں رکھتی تھیں۔

امور خانہ داری، حسن انتظام، کھانے پکانے کا سلیقہ اور عورتوں اور چھوٹے بچوں کے علاج و معالجہ میں بھی ان کو بہت ملکہ تھا۔ اعزہ کے ساتھ حسن سلوک اور محتاجوں اور غریبوں کے ساتھ ہمدردی و غمخواری، اصابت رائے وجاہت و رعب اور اطمینانِ قلب میں اللہ نے ان کو بڑا حصہ عطا فرمایا تھا۔

والدہ صاحبہ کے لئے جو کھلائی (اَنّا) مقرر کی گئیں وہ خود بڑی خدا ترس، نیک سیرت اور عبادت گزار عورت تھیں۔ نام تو معلوم نہیں کیا تھا عرفیت جوّا تھی۔ والدہ صاحبہ ان کی نیک دلی اور خدا ترسی و عبادت کے شوق کے بہت تذکرے کرتی تھیں۔ اس زمانہ میں شرفاء میں عام دستور تھا اور ہمارے خاندان میں تو بہت رواج تھا، کہ دوسرے خاندانوں کی ایسی سن رسیدہ اور بیوہ عورتیں جن کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی قریبی رشتہ دار نہ ہوتا یا جن کو خدا کی یاد اور ذکر و عبادت کا خاص ذوق ہوتا وہ اپنا گھر چھوڑ کر ان کے گھروں میں سکونت اختیار کر لیتیں۔ اور اپنی بقیہ زندگی شرافت و وضعداری کے ساتھ یادِ الٰہی اور آخرت کی تیاری میں گزار دیتیں۔ ہمارے خاندان کے تقریباً ہر گھر میں ایسی شریف بی بیاں اور بوڑھیاں سالہا سال سے مقیم رہیں لیکن ہمارے نانا صاحب اور ان کے بھائی صاحب کے گھر میں جو خاندان کا سب سے آسودہ حال اور صاحبِ حیثیت گھر تھا، ان نیک بندیوں کی آمد و رفت اور قیام زیادہ رہتا تھا۔ اور ان میں سے اکثر نانا صاحب یا دوسرے خاندانی بزرگوں سے بیعت تھیں۔ یہ عقائد کی بڑی پختہ اور بہت خوش اوقات بہت بابرکت بیبیاں تھیں۔ ان کی وجہ سے گھروں کے اندر اور بھی دین کا تذکرہ اور دینی مشغولیت رہتی تھی اور خاندان کی بچیوں پر اس کا بہت اچھا اثر پڑتا تھا۔

میری والدہ ماجدہ خیر النساء صاحبہ

نانا صاحب کے دو صاحبزادے اور پانچ صاحبزادیاں تھیں، میرے بڑے ماموں صاحب کا نام سید احمد سعید تھا، چھوٹے مولوی حافظ سیّد عبید اللہ صاحب تھے۔ میری والدہ اپنی بہنوں میں چوتھے نمبر پر تھیں۔ ان سے تین بہنیں بڑی اور ایک چھوٹی تھیں۔ جن کا انتقال نانا صاحب کی زندگی ہی میں زچگی ہی میں ہو گیا تھا۔ والدہ صاحبہ ۱۲۹۵ھ / ۱۸۷۸ء میں پیدا ہوئیں۔ نام خیر النساء رکھا گیا۔ والدہ صاحبہ نے کئی بار فرمایا اور سب اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ نانا صاحب کو اپنی اولاد میں سب سے زیادہ انھیں سے محبت و مناسبت تھی۔ فرماتیں کہ جب کوئی

اچھی کتاب آتی مجھے دیکھنے کو دیتے۔ اور مجھ سے تذکرہ کرتے کہ یہی ان کی سب سے بڑی خاطر اور محبت کی نشانی تھی۔ فرماتی تھیں کہ "میاں تہجد کے وقت جب کوٹھے سے اُتر کر مسجد جانے لگتے تو میری آنکھ کھل جاتی اور میں اور منجھلی بہن صالحہ بی (دونوں بی بی والدہ) کے پاس کوٹھے پر چلے جاتے اور وہیں انکے ساتھ نفلیں پڑھتے رہتے۔ اور مشغول رہتے۔ ہماری دوسری بہنوں اور ہم جولیوں کو اس پر بڑا رشک آتا اور وہ بھی اس کی کوشش کرتیں، مگر اکثر آنکھ نہ کھلتی۔ والدہ صاحبہ کو کاڑھنے، بیل بوٹے بنانے (کشیدہ کاری) اور سلائی کے کام سے فطری مناسبت تھی۔ اور وہ اس میں استادانہ مہارت رکھتی تھیں۔ ان کا دماغ شروع سے جدتیں پیدا کرنے اور نئی تراش خراش نکالنے اور نئے نئے تجربے کرنے کا عادی تھا۔ وہ ان تمام کاموں میں خاندان میں موجد اور ایک طرح کی مجتہد سمجھی جاتی تھیں۔ نانا صاحب کے مزاج میں بھی (بزرگی اور سادگی کے ساتھ) لطافت اور خوش مزاقی تھی۔ خوش وضع اور موزوں چیز ان کو پسند آتی تھی۔ اس لئے اکثر والدہ صاحبہ سے اس قسم کا کام لیتے۔ نانا صاحب کی ایک عبا جو وہ عید کے موقع پر زیب تن فرماتے تھے ابھی تک ہمارے پاس موجود ہے جس پر والدہ صاحبہ کے ہاتھ کا ریشمی کام ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بڑا استاد ابھی کام ختم کر کے اٹھا ہے!

تعلیم و مطالعہ

خاندان میں لڑکیوں کی تعلیم کا بہت مخصوص اور محدود پیمانہ پر رواج تھا، لڑکیوں کی زیادہ تعلیم اور نوشت و خواند کو پسند نہیں کیا جاتا تھا۔ تعلیم مذہبی کتابوں، مسائل کی واقفیت اور انتظام خانہ داری تک محدود تھی۔ علمائے حق کی کتابیں جو اس خاندان کے مسلک اور عقیدہ سے مطابقت رکھتی تھیں۔ وہ ایک طرح سے نصاب میں داخل تھیں۔ میں نے جن کتابوں کا نام والدہ صاحبہ سے زیادہ سنا ہے ان میں حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی کی کتاب "مالا بدّ منہ" (عقائد و مسائل میں)، "راہِ نجات"، حضرت شاہ رفیع الدین دہلوی کی کتاب "آثار قیامت" پر مجمل حدیث، شاہ عبد القادر صاحب اور شاہ رفیع الدین صاحب کے ترجمہ قرآن کے بارے میں مجھے یاد ہے ابتدائی فارسی بھی پڑھائی جاتی تھی۔ لیکن لکھنے کی مشق کی زیادہ ہمت افزائی نہیں کی جاتی تھی بلکہ ایک درجہ میں اس کو پسند نہیں کیا جاتا تھا۔ اور بعض بزرگ اس بارے میں بہت سخت تھے اور کہتے تھے کہ لڑکیاں لکھنا سیکھ جائیں گی تو غیروں کو خط لکھیں گی۔ لیکن والدہ صاحبہ کو لکھنے کا اور لکھنے کی مشق کرنے کا غیر معمولی شوق تھا۔ انھوں نے اپنے بڑے چچا زاد بھائی مولوی سید خلیل الدین صاحب سے جو پورے خاندان کے

ایک اتالیق کی حیثیت رکھتے تھے۔ اس کی اجازت چاہی انھوں نے ان کے تقاضے اور ان کے ذہنی حالات کو دیکھ کر اس کی بقدر ضرورت اجازت دی اور والدہ صاحبہ نے اپنے ماحول کے رواج اور اپنے خاندان کے معیار کے برخلاف اچھا خاصہ لکھنا سیکھ لیا۔ اور اس چیز نے ان کو اپنی تصنیف و تالیف کے کام میں بڑی مدد دی۔ جو کتابیں اس زمانہ میں زیادہ ان کے مطالعہ میں رہیں اور جن کا ان کی زندگی میں اور ذہن پر گہرا اثر پڑا، اُن میں قصص الانبیاء، مقاصد الصالحین، مآثر الصالحین، طی الفراسخ الی منازل البرزخ طریق النجاۃ کا نام میں نے بار بار سنا ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد تین کتابیں اور ان کے مطالعہ میں آئیں جن کا انھوں نے بہت اثر قبول کیا۔ ایک نواب سید صدیق حسن خاں مرحوم کی کتاب الداء والدواء جس سے ان کو مختلف آیات قرآنی کے خواص اور اعمال قرآنی کا علم ہوا۔ اور انھوں نے ان میں سے بہت سی چیزوں کو اپنا معمول بنا لیا۔ دوسری کتاب مجربات دیربی اس سے بھی انھوں نے بہت فائدہ اٹھایا۔ اور کام لیا۔ تیسرے تعبیر الرؤیا جس میں وہ تعبیریں منقول ہیں جو حضرت ابن سیرینؒ نے لوگوں کے خوابوں پر دیں اور اس کے اصول بیان کئے ہیں۔ والدہ صاحبہ کو اس کتاب کے مطالعہ، اپنے تجربے اور خداداد ملکہ کی بناء پر خوابوں کی تعبیر دینے سے بڑی مناسبت ہو گئی تھی، خاندان کے اکثر لوگ ان سے اپنے خوابوں کی تعبیر پوچھتے اور ان کی اکثر تعبیریں صحیح نکلتیں۔

اسی زمانے میں ایک نعمت عظمیٰ کی طرح ان کو ہاتف مرحوم کی ایک مناجات منظوم جس کا نام نعمت عظمیٰ ہے مل گئی۔ اس کا ہر شعر اسمائے حسنیٰ میں سے کسی ایک اسم سے شروع ہوتا ہے اور اس اسم کی مناسبت سے اسی مضمون کی دعا اور مناجات ہوتی، معلوم نہیں یہ ہاتف کون تھے اور ان کا پورا نام کیا تھا۔ لیکن ہمارے خاندان کے لئے یہ ہاتف غیبی ثابت ہوئے ان کی یہ مقبول مناجات جس کے لفظ لفظ سے خلوص اور دعا کا سچا جذبہ ظاہر ہوتا ہے خاندان کی عورتوں اور بچوں اور بہت سے مردوں کا ورد اور وظیفہ بن گیا۔ اکثر لوگوں کو یہ زبانی یاد تھی۔ خاص طور پر جب کوئی فکر یا پریشانی کی بات ہوتی یا کوئی غم یا حزن و ملال کا واقعہ پیش آتا تو یہ انفرادی یا اجتماعی طریقہ پر بڑے درد کے ساتھ پڑھی جاتی اور اس سے بڑی تسکین اور تقویت ہوتی۔

حفظ قرآن[1] مردوں میں تو حفظ کا رواج ہمارے خاندان میں شروع سے رہا ہے اور ہر دور میں بڑے بڑے جیّد حافظ ہوئے ہیں لیکن عورتوں میں مجھے معلوم نہیں کہ اس دور سے پہلے کوئی حافظ تھا معلوم نہیں کیا خاص محرک پیش آیا کہ اس طبقہ میں قرآن مجید حفظ کرنے کا شوق پیدا ہو گیا۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ سب سے پہلے والدہ ہی کو شوق پیدا ہوا یا ان کی کسی اور بہن یا عزیزہ کو لیکن ایک وقت میں میری والدہ ان کی منجھلی بہن صالحہ بی، ان کی بھانجی اور دو اور عزیز بہنوں نے قرآن مجید حفظ کرنا شروع کیا۔ ان میں سے ہر ایک نے اپنے کسی ایسے عزیز سے حفظ کرنا شروع کیا جو ان کے حقیقی بھائی یا محرم تھے چھوٹے ماموں سیّد عبید اللہ صاحب خود جیّد حافظ تھے۔ بہت صحیح اور عمدہ قرآن مجید پڑھتے تھے۔ والدہ صاحبہ نے انھیں سے حفظ کرنا شروع کیا۔ ان دونوں بھائی بہنوں میں بڑی محبت تھی، میں نے کم بھائی بہنوں کو ایسا ایک دوسرے کا جاں نثار پایا جیسا یہ دونوں بھائی بہن تھے۔ غالباً چار پانچ سال ہی کی چھٹائی بڑائی تھی۔ تین سال میں انھوں نے حفظ مکمل کر لیا۔ آگے پیچھے یہ سب بہنیں حافظ ہو گئیں۔ ان کے حقیقی بڑے چچازاد بھائی مولوی سید خلیل الدین صاحب اس سلسلے کی بڑی ہمت افزائی اور سرپرستی فرما رہے تھے۔ والدہ کہتی تھیں کہ بھائی جی مرحوم ہر ہفتہ ہم لوگوں کی دعوت کرتے تھے اور جب حفظ مکمل ہوا تو انھوں نے ایک بڑی دعوت کی۔

رمضان کا معمول کیا مبارک زمانہ تھا جب یہ سب تراویح میں ایک ایک پارہ پڑھتی تھیں بعض علماء کے فتوے کے مطابق ان کی اپنی جماعت ہوتی تھی جن میں عورت ہی امام اور عورتیں ہی مقتدی ہوتی تھیں عشاء کے بعد سے سحری کے قریب تک یہ سلسلہ جاری رہتا۔ یہ سب قرآن شریف بہت اچھا پڑھتی تھیں۔ مخارج نہایت صحیح تھے۔ اگر گستاخی نہ ہو تو یہ کہوں کہ آجکل کے بہت سے فضلائے مدارس سے زیادہ صحیح اور اچھا پڑھتی تھیں۔ اندرونی جذبہ اور فطری ترنم اس پر مستزاد، مجھے یاد ہے کہ میں ایک مرتبہ چھپ کر دیر تک والدہ صاحبہ کا قرآن کھڑا سنتا رہا۔ وہ تراویح پڑھا رہی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آسمان سے بارش ہو رہی ہے، وہ لطف آج تک نہیں بھولتا والدہ صاحبہ کے گھر آنے کے بعد انھوں نے والدہ صاحب کو قرآن مجید سنایا

---

[1] ماہنامہ رضوان" دسمبر ۱۹۵۶ء کے ایک مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ جس کے معلومات والدہ صاحبہ سے اخذ کئے ہوئے ہیں۔ کہ حفظ قرآن کا خیال سب سے پہلے انھیں کو پیدا ہوا۔ اور انھیں نے اس مبارک سلسلہ کا آغاز کیا۔

اور اس میں مزید جلا پیدا ہوئی۔ آخر عمر تک، جب تک ان کا حافظہ کام دیتا تھا وہ اپنے بھتیجے حافظ سید حبیب الرحمن صاحب سے ہمیشہ دورہ کرتی رہیں۔ آخر دن تک جب تک انھوں نے اپنے معمولات ادا کئے وہ مختلف سورتیں مختلف رکوع اور آیات نہایت صحیح طریقہ پر اور ایک حد تک تجوید اور صحت مخارج کے ساتھ برابر پڑھتی رہیں۔

بے کلی و بے چینی اور دعا و مناجات کا ذوق

اب وہ دور آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنی نعمت خاص سے نوازتا ہے اور ان کو دعا و مناجات کی وہ دولت اور نسبت عطا فرماتا ہے جو ان کی قبولیت و ترقی کا اصل زینہ اور ہزاروں سعادتوں اور نعمتوں کا ذریعہ اور سرچشمہ بنا اور جس کی مثال میں نے اس دور آخر میں صرف خاصان خدا اور اکابر و مشائخ میں دیکھی۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ جب خدا کا کسی پر فضل خاص ہونے والا ہوتا ہے اور خدا کسی کو اپنی طرف کھینچنا چاہتا ہے تو کسی نہ کسی سبب سے اس کے اندر بے کلی اور بے چینی اور اضطراب و پریشانی پیدا کر دیتا ہے ہزار دل سکون قربان اس بے چینی پر جو سب سے ہٹا کر خدا کے آستانے پر کھڑا کر دے اور سب سے توڑ کر اس سے جوڑ دے اس ناکارہ اور گنہگار کو بہت سے بزرگان دین کی سوانح عمری اور حالات لکھنے کا اللہ نے موقعہ دیا اکثر دیکھا کہ جس پر عنایت خاص ہوئی اس کی زندگی میں بے چینی کا کوئی سبب پیدا کر کے اس کو سب کے بیچ میں سے اٹھا کر اپنا بنا لیا۔ بہت سے بزرگوں کے حالات کی تبدیلی اور جذب و کشش کا ذریعہ یہی اضطراب بنا جس کو بہت سے لوگ "اختلاج" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ والدہ صاحبہ اکثر کہتی تھیں کہ "میں ایک مرتبہ قرآن شریف پڑھ رہی تھی، میں نے یہ آیت دیکھی:۔

واذا سئلک عبادی عنی فانی قریب	اور جب تجھ سے پوچھیں میرے بندے مجھ کو سو میں تو قریب ہوں قبول
اجیب دعوۃ الداع اذا دعان	کرتا ہوں دعا مانگنے والے کی دعا کو جب مجھ سے دعا مانگیں تو چاہیے
فلیستجیبوالی ولیؤمنوابی لعلھم	کہ وہ حکم مانیں میرا اور یقین لائیں مجھ پر تاکہ نیک راہ پر
یرشدون ٥	آئیں۔

بارہا یہ آیت پڑھی ہوگی اور ممکن ہے کہ اس وقت تک حفظ بھی کر چکی ہوں لیکن وقت کی بات اکدم سے آنکھیں کھل گئیں اور ایسا معلوم ہوا کہ کوئی کھوئی ہوئی چیز پالی اور کوئی نئی حقیقت دریافت کی، کہتی تھیں کہ معلوم ہوتا تھا کہ جیسے کسی نے دل پر لکھ دیا ہو اور کوئی چیز دل کی تہ میں بیٹھ گئی ہو، بس کیا تھا جیسے کوئی خزانہ مل گیا ہو اور سارے قفلوں کی کنجی ہاتھ آگئی ہو، بس اسی کو مضبوط پکڑ لیا اور دانتوں سے

دابا لیا، دعا کا ایسا ذوق پیدا ہوا کہ سارا وجود اس سے سرشار ہو گیا، ادھر اختلاج شروع ہوا۔ ایک بے کلی اور بے چینی سی ہر وقت رہنے لگی اپنی زندگی کا انجام آئندہ کی فکر۔ خوش نصیبی اور کامیابی کا شوق ہر وقت دل و دماغ پر چھایا رہتا تھا۔ اس وقت کی بے چینی اور اضطراب میں اگر کسی چیز سے تسکین ہوتی تو صرف دعا اور مناجات سے یہی درد کی دوا، روح کی غذا اور زخم دل کا مرہم تھا۔ ایک اندرونی طاقت تھی جو ان کو ہر وقت دعا اور مناجات میں مشغول رکھتی۔ خود ہی بے چین کرتی، پھر خود ہی سکون عطا کرتی۔ خود ہی دل کو زخمی کرتی پھر اس پر مرہم رکھتی۔ خود ہی رلاتی خود ہی آنسو پونچھتی، دعا کئے ہوئے روتے ہوئے ذرا دیر گذرتی تو پھر پہلو میں چٹکی لیتی اور زخم دل کو جو —— ہرا تھا پھر ذرا سا چھیڑ دیتی پھر جب تک وہ دل کھول کر دعا نہ کر لیتیں ان کے بے چین دل کو تسکین نہ ہوتی ان کو ہر دعا پر اعتماد اور اللہ تعالیٰ کی رحمت پر ناز بھی بہت تھا اچھے اچھے لوگوں میں میں نے دعا کا وہ ذوق اور دعا میں ایسا یقین نہیں دیکھا جیسا اپنی والدہ صاحبہ کی زندگی میں دیکھا ہے ان کی زندگی اس حدیث کی تعمیل کا نمونہ تھی جس میں کہا گیا ہے کہ "تمہاری ہانڈی کا نمک کم ہو جائے تو اس کو دعا ہی کے ذریعہ طلب کرو اور تمہاری جوتی کا تسمہ ٹوٹ جائے تو اس کو بھی اللہ ہی سے مانگو"۔ —————— ان کی ساری زندگی دعا اور مناجات میں گذری۔

ماثور دعائیں، منظوم مناجاتیں اٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے ہر فکر و تردد کے موقع پر پڑھتی تھیں۔

بچپن سے ہم بھائی بہنوں کو اس کا عادی بنایا، مجھے یاد ہے کہ جب میں کچھ لکھنے پڑھنے کے قابل ہوا تو انھوں نے مجھ سے فرمایا:

"تم جب کچھ لکھا کرو تو بسم اللہ کے بعد سب سے پہلے یہ الفاظ لکھا کرو:۔ اَللّٰھُمَّ آتنی بفضلک افضل ما تؤتی عبادک الصالحین: (اے اللہ اپنے فضل سے مجھے وہ اعلیٰ سے اعلیٰ چیز عطا فرما جو تو اپنے نیک بندوں کو عطا کیا کرتا ہے)"۔

ان کو ہر موقعہ کی اتنی دعائیں اور مسنون وظائف یاد تھے جو اس زمانے کے مدارس کے اچھے اچھے فضلا کو یاد نہ ہوں گے ان کا یہ شعر بالکل حسب حال اور ان کے اصل ذوق کی ترجمانی کرتا ہے۔

تیرا شیوہ کرم ہے اور میری عادت گدائی کی
نہ ٹوٹے آس اے مولا ترے در کے فقیروں کی

ان کے یہ شعر ان کی اضطراری کیفیت کو ظاہر کرتے ہیں۔ اور میں نے ان کو اکثر ملتزم اور مطاف میں پڑھا ہے اور بڑا ذوق و فائدہ محسوس ہوا ہے۔

کونسی سرکار ہے جس کا ہے سب کو آسرا — کونسا دربار ہے جس میں ہے ہر کوئی کھڑا
کونسا وہ شاہ ہے جس کا ہے ہر کوئی گدا — کونسا در ہے نہ جس در سے کوئی خالی پھرا

آج اسی سرکار سے میں بھی تو پاکر شاد ہوں!
آج اسی دربار سے میں بھی تو خوش ہو کر پھروں!

دُعا میں اللہ تعالیٰ ان سے وہ مضامین ادا کرواتا جو اہل یقین اور اہل قلوب کا خاصہ ہیں طبیعت شروع سے موزوں بہت تھی اس کے علاوہ مسنون دعاؤں اور بے تکلف عرض حال کے جو وہ تہجد میں اور فرض نمازوں کے بعد بالعموم کرتیں اکثر نظم میں بارگاہ الٰہی میں اشعار بدعا پیش کرتیں اور اپنے مالک کے سامنے فریاد کرتیں یہ مناجاتیں درد و اثر سے لبریز ہوتیں یہ مناجاتیں بہت جلد مقبول اور زبان زد ہو جاتیں اور خاندان میں بی بیاں اور بچیاں ان کو یاد کر لیتیں۔ اور پڑھتی تھیں جس وقت یہ مناجاتیں پڑھی جاتیں۔ ایک سماں بندھ جاتا۔ اور دل امنڈ آتے۔ عرصہ ہوا ان کی مناجاتوں کا مجموعہ "بابِ رحمت" دیکھ کر ایک صاحب دل اور عارف نے کہا تھا کہ جس کے یہ اشعار ہیں اس کو اپنے مالک پر ایک ناز اور اس کے ساتھ بندگی کا ایک خاص تعلق معلوم ہوتا ہے۔ "خود میرا یہ حال ہے کہ ان کے پڑھنے سے ایک خاص کیفیت محسوس ہوتی ہے اور طبیعت دعا کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے۔ والدہ صاحبہ نے خود اپنی ایک تصنیف میں اس زمانہ کی کیفیت بیان کی ہے اس سے زیادہ ان کی صحیح اور اچھی ترجمانی نہیں ہو سکتی۔

• دعا گویا میری غذا تھی۔ بغیر دعا کئے مجھے سیری نہ ہوتی، دعا کی مشغولیت اتنی بڑھی کہ تمام مشاغل چھوٹ گئے، اگر بات بھی کرتی تو دعا کے ساتھ کرتی۔ کوئی گھڑی دعا سے خالی نہ گزرتی۔ جمعہ گویا روزِ عید تھا۔ اور فی الحقیقت عید کا دن بھی ہے۔ تمام دن دعا کرتی۔ خاص کر عصر سے غروب آفتاب تک تنہا بیٹھ کر دعا میں ایسی مشغول رہتی کہ کسی طرف آنکھ نہ اٹھاتی۔ مرغ کی ہر آواز پر اور ہر اذان کے ساتھ دعا کرتی حتی الامکان کوئی وقت دعا کا ضائع نہ کرتی۔ اور کوئی بات نہ چھوڑتی ہر خوف سے امان مانگتی اور ہر خوبی کی طالب ہوتی۔ یہ اس مالک حقیقی کی رحمت و عنایت تھی کہ جو جو معاملات زندگی میں پیش آنے والے تھے

دعا کے وقت سب پیش نظر ہو جاتے، اور اس قدر جوش پیدا ہو جاتا کہ بے خودی ہو جاتی اور تمام جگہ آنسوؤں سے تر ہو جاتی۔ اور اس کی شان قدرت پر نظر کر کے تڑپ جاتی۔ جس طرح مرغ ذبیح تڑپتا ہے۔ مگر بے خودی میں بھی دعا جاری رہتی ہے اور ہر وقت اپنے قیافہ پر نظر کرتی اور کہتی ؎

جو عیب قسمت کے ہیں مٹا دے ترا ہی عالم میں نام ہوگا

سجدہ سے سر ہرگز نہ اٹھاتی جب تک دل کو کچھ تسکین نہ ہو جاتی۔ دعا کے بعد مجھے اس قدر تسکین ہوتی کہ گویا رحمت کے دروازے کھل گئے ہیں۔ اور میں خزانہ رحمت لوٹ رہی ہوں کبھی خود بخود ہنسی آجاتی ہے اور کہتی ؎

کیوں نہ آئے رحم تجھ کو حال پر میرے رحیم — تیری ہی رحمت تو ہے مونس مری ہمدم میری
بیکسوں کا بس تو ہی مونس، تو ہی غمخوار ہے — تجھ سے کہکر کیوں نہ ہو بیتابئ دل کم مری
کب نہیں ہوگی خبر تجھ کو دل بیتاب کی — آہ پہونچے گی ترے دربار میں ہر دم مری
سائلوں میں اک ترے دربار کے میں بھی تو ہوں — کیوں رہے فریاد دل یوں درہم و برہم مری
کیوں نہ میں چاہوں کہ خود ہی چاہنے والا ہے تو — کب گوارا ہے تجھے چشم ہو پُر نم مری [1]

دعا کی محویت اور اس کا انہماک روز بروز بڑھتا جاتا تھا اور اس میں ان کو عجیب لذت و سرور و جوش و خروش اور سرشاری کی کیفیت محسوس ہوتی تھی۔ اسی زمانہ میں ان کی موزوں طبیعت اور جذب دل نے اس کو نظم کا قالب بھی عطا کیا اور وہ اپنے دلی جذبات کو اشعار میں ادا کر کے اپنے دل کو تسکین دینے لگیں، فرماتی ہیں:-

• اس مالک حقیقی کو میری گریہ و زاری کچھ ایسی پسند آگئی کہ جو کچھ دینا ہوتا دلا کر دیتا۔ مگر سب سے بہتر دیتا۔ ایک سال متواتر یہ مشغولیت رہی اس سے ایسی دلچسپی ہو گئی کہ دعا سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہ ہوتی۔ تمام خوبیاں ہیچ ہو جاتیں۔ دعا کی اتنی عادی ہو گئی تھی کہ اکثر نماز میں بجائے سورہ کے دعا مانگنے لگتی اور کاموں کا کیا ذکر۔ اس مالکِ حقیقی نے دعا

---

[1] رسالہ "الدعاء والقدر" (قلمی) صفحہ ۱۳ و ۱۴، عبارت من و عن نقل کی گئی ہے کوئی ترمیم یا تبدیلی نہیں کی گئی۔ اشعار بھی انھیں کے ہیں:

سے ایسی دل بستگی پیدا کر دی تھی کہ بغیر دعا کے مجھے آرام نہ ہوتا جب نماز اور دعا سے فارغ ہوتی تو حزب الاعظم کا ورد کرتی۔ اور بار بار دہراتی اور طلوع آفتاب سے غروب آفتاب تک دعا سے غافل نہ رہتی۔ زبان سے بھی ادا کرتی اور قلم سے بھی لکھتی۔ دل اس طرف ایسا مائل تھا کہ خود بخود ایسے اشعار منہ سے نکلتے گویا اصلاح کئے ہوئے ہیں۔ نہایت گریہ وزاری کے ساتھ اشعار پڑھتی اور روتی اس مالک حقیقی کی قدرت و رحمت پر اس قدر بھروسہ تھا کہ قسمت کو ہیچ سمجھتی اور اسے صاحب تدبیر سمجھکر ہر وقت ناز کرتی۔ اور تمام مشکلوں کو آسان سمجھتی، وہ وہ خواہشیں ظاہر کرتی جو میری قسمت سے بعید اور دشوار تھیں مگر اس کی شان کبریائی پر نظر کر کے کہتی ؎

ذرہ کو گر چاہے تو ہی پل میں کرے رشک قمر
تیری صفت یہ دیکھ کر کیوں حوصلہ میرا ہو کم

اس کی عنایت و شفقت پر مجھے اس قدر ناز تھا کہ یہ کہتی تھی "یا ارحم الراحمین اگر تو مجھے میری کوشش میں کامیاب نہیں کرے گا تو ایسی چیخ ماروں گی کہ آسمان و زمین ہل جائیں گے۔ اور تیرے در سے ہرگز سر نہ اٹھاؤں گی ؎

نہ اٹھوں گی میں اس در سے کوئی مجھ کو اٹھا دیکھے
مجھے ہے آرزو جس کی اٹھوں گی میں وہی لیکر

یہ اس کی محبت اور عنایت و رحمت تھی کہ اتنی بڑی سرکار میں مجھے ایسا ڈھیٹ کر دیا تھا اور بے حجاب کہ میں کہتی اور کہہ کر اپنی بات پر اڑ جاتی۔ اور اتنا بڑا بادشاہ مالک الملک ہو کر مجھ ادنی فقیر کی ناز برداری کرتا ؎

یہ شان دیکھی تیری نرالی جو مانگے تجھ سے تو اس سے راضی
بلا کے دینا کرم ہے تیرا، یہ فضل بھی ہے کمال بھی ہے"[1]

شادی

والدہ صاحبہ کی عمر شادی کی ہو گئی تھی۔ اور ان کی کئی ہم سن بہنوں اور عزیزوں کی شادیاں بھی ہو گئی تھیں۔ لیکن ان کی شادی کے بارے میں والدین ابھی کوئی فیصلہ نہ کر سکے تھے۔ رشتہ گھر ہی میں موجود تھا

[1] رسالہ "الدعا والقدر (قلمی) ص ۱۵، ۱۶

حقیقی چھوٹے چچا زاد بھائی سے حقیقی بہن منسوب تھیں۔ جو بڑی بہن سے چھوٹی تھیں۔ ایک لڑکا اور ایک لڑکی چھوڑ کر انھوں نے جوانی میں انتقال کیا اب دوسری بہن (والدہ صاحبہ) کا پیام دیا گیا۔ چچا کے اس گھر میں ہر طرح کی دنیاوی وجاہت، معقول جائداد اور دنیاوی فراغت کے اسباب موجود تھے مگر کوئی خاص دینی ذوق اور اعلیٰ دینی تعلیم نہ تھی۔ سارے اسباب و قرائن اس بات کے حق میں تھے کہ یہ رشتہ ہو جائے کہ یہ گھر ہی کے گھر کی بات تھی۔ کہیں دور جانا نہ تھا جائداد اور انتظام بھی مشترک تھا اور ایک ہی گھر میں بود و باش بھی تھی۔ نانی صاحبہ بھی اس کی بڑی مؤید اور محرک تھیں۔ لیکن خدا کو کچھ اور منظور تھا۔ اس اثناء میں ایک لطیفۂ غیبی ظاہر ہوا۔

میرے والد ماجد مولانا حکیم سید عبد الحی رحمۃ اللہ علیہ کی پہلی شادی ۱۳۰۸ھ میں اپنی حقیقی ماموں زاد بہن سے منسوہ ضلع فتحپور میں ہوئی تھی۔ طرفین میں نہایت محبت و موافقت تھی، ۱۳۱۹ھ میں ان کا لکھنؤ میں اچانک انتقال ہو گیا۔ اپنے پیچھے صرف ایک یادگار چھوڑی۔ میرے بڑے بھائی مولوی حکیم سید عبد العلی صاحب مرحوم جو اس وقت صرف ۹ سال کے تھے۔ والد صاحب پر اس اچانک حادثہ کا ایسا اثر ہوا کہ باوجود اس کے کہ ابھی ان کی صرف تینتیس ۳۳ سال کی عمر تھی۔ انھوں نے دوسری شادی نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا میرے دادا صاحب مولوی حکیم سید فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ اور میرے نانا صاحب دونوں حضرت مولانا سید خواجہ احمد صاحب نصیر آبادی کے سلسلہ میں مجاز اور قرابتوں اور خاندانی رشتوں کے علاوہ پیر بھائی بھی تھے اور آپس میں نہایت اتحاد و الفت تھی۔ اس حادثہ کے بعد ان کے دل میں اس بات کا شدید تقاضہ پیدا ہوا کہ والد صاحب کی دوسری شادی حضرت شاہ ضیاء النبی صاحب کی صاحبزادی سے ہو جائے (میری والدہ) جو شادی کے قابل تھیں۔ اور جوانی، دینداری، سلیقہ مندی اور پڑھنے لکھنے کے ذوق کی وجہ سے دادا صاحب کو نہایت عزیز تھیں۔ لیکن والد صاحب کی طبیعت شادی کی طرف راغب نہ تھی۔ اور ان کی طرف سے انتہائی سعادت مندی کے باوجود اس معاملہ میں خاموشی تھی۔ مجھ سے ان کے ایک نہایت بے تکلف اور عزیز دوست منشی عبد الغنی صاحب مرحوم نے یہ واقعہ سنایا کہ میں ایک مرتبہ رائے بریلی گیا۔ حکیم صاحب کے والد مولانا فخر الدین صاحب نے مجھ سے بڑے درد سے کہا کہ کیا ہماری ڈیوڑھی اب بے چراغ رہے گی؟ سید[1] شادی نہیں کرنا چاہتے۔ ہمارے بعد اس گھر میں

[1] خاندان میں میرے والد صاحب کا یہی عرف تھا۔

کوئی چراغ جلانے والا بھی نہ ہوگا تم سید کو اس پر راضی کرو، میں لکھنؤ آکر مولوی صاحب سے کہا کہ آپ کے والد صاحب کی بڑی خواہش اور تمنّا ہے کہ آپ دوسری شادی کرلیں اگر آپ نے انکار کیا تو ان کی ناراضگی کا ڈر ہے۔ آخر کار والد صاحب باپ کی اطاعت اور تعمیل حکم کے خیال سے راضی ہو گئے اور نانا صاحب کے یہاں پیغام بھیجدیا گیا۔

یہاں پر اس بات کا ذکر کردینا بھی ضروری ہے کہ جس طرح خاندان میں ہمارے نانا صاحب کا گھر سب سے زیادہ کھاتا پیتا اور خوش حال، با وجاہت تھا۔ ہمارے دادا صاحب کے یہاں اسی قدر اس چیز کی کمی تھی، یہاں کوئی جائداد اور زمینداری عرصے سے نہ تھی خاندان کی اس شاخ میں بہت پہلے سے علم دین کا سلسلہ چلا آرہا تھا اور یہ مولویوں کا گھرانہ مشہور تھا۔ یہاں جائداد کے بجائے کچھ کتابوں کا ذخیرہ اور دینی علم نسلاً بعد نسلاً منتقل ہوتا رہا اور یہی اس کی سب سے بڑی جائداد تھی اس دور میں خاص طور پر گھر میں ایک طرح کی تنگی اور عسرت تھی دادا صاحب حاذق طبیب، بڑے فاضل اور مصنف تھے۔ لیکن طبیعت میں بے نیازی اور خود داری بہت تھی۔ کبھی معاش کی طرف پوری توجہ نہیں فرمائی۔ گھر میں کسی کسی وقت فاقہ ہوجانا بھی کوئی بڑی بات نہ تھی۔ والد صاحب مرحوم نظامت ندوۃ العلماء میں پہلے تیں چالیس روپے ماہوار کے ملازم تھے۔ پھر اس کو بھی ترک کردیا۔ ایسی حالت میں جب یہ پیام پہونچا تو میری نانی صاحبہ کو اس کے قبول کرنے میں بڑا تردّد ہوا۔ عورتیں ان معاملات میں زیادہ دور بین اور حساس ہوتی ہیں۔ گھر سے گھر ملا ہوا تھا۔ وہ گھر کی حالت سے واقف تھیں۔ پہلے رشتہ کے مقابلہ میں اس کو ترجیح دینا ان کے سمجھ میں نہ آیا۔ جان بوجھ کر بیٹی کو تکلیف میں ڈالنا ان کے نزدیک کوئی عقلمندی کی بات نہ تھی۔ لیکن نانا صاحب کو والد صاحب کے ساتھ بڑی محبت تھی والد صاحب نے ان سے روحانی استفادہ بھی کیا تھا اور وہ ان کی علمیت اور صلاحیت سے بھی واقف تھے، پیام آتے ہی وہ کھل گئے، اور گویا ان کی مراد پوری ہوئی۔ نانی صاحبہ سے انھوں نے صاف کہدیا۔ کہ سید جوان صالح عالم اور ہونہار ہے، میں ان پر کسی کو ترجیح نہیں دے سکتا۔ میرے نزدیک عزت اور امارت کی کوئی اہمیت نہیں ہے اصل دیکھنے کی چیز صلاحیت اور علم ہے خود والدہ صاحبہ کی زبان سے اس کو سنئے اپنے رسالہ "الدعاء والقدر" میں لکھتی ہیں۔

"جس طرف سے زیادہ کوششیں تھیں وہ میرے چچا کا گھر تھا۔ دو بہنیں میری اس گھر میں

منسوب ہو چکی تھی۔ یہ گھر ایک مدت سے سرسبز اور آباد تھا۔ دنیاوی اعتبار سے ہر خوبی میں بے مثال تھا۔ مال و دولت، عزت، شرم وحیا، صورت وسیرت، غرض اس سے بہتر کوئی گھر نہ تھا۔ یہ ہمارے لئے باعثِ فخر سمجھا جاتا تھا۔ والدہ مرحومہ کی دلی خواہش اسی طرف تھی اپنے حقیقی بھائی کے گھر پر اس کو ترجیح دیتیں۔ اور مجھے بھی یہ گھر عزیز تھا تمام باتیں میرے موافق تھیں۔ مگر والد مرحوم کا خیال تھا کہ مفلس ہو مگر متقی اور پرہیز گار ہو۔ یہ خوبی یہاں نہیں پائی جاتی تھی"۔

اس کش مکش اور تردد وانتظار کے زمانہ میں والدہ صاحبہ نے جن کو اس زمانہ میں خوابوں سے بڑی مناسبت تھی کئی ایسے خواب دیکھے جن میں والد صاحب کے گھر کی طرف اشارہ تھا اور اگر یہ اگر یہ دونوں گھر مل گئے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص عنایتیں ہوں گی، اسی کے آگے پیچھے ایک نہایت بشارت آمیز خواب دیکھا جس سے وہ زندگی بھر تسکین حاصل کرتی رہیں جب وہ اس کا تذکرہ کرتیں تو ان پر ایک خاص کیفیت طاری ہوجاتی وہ لکھتی ہیں:-

" ایک رات کو میں نے خواب دیکھا کہ خاص اس مالک کریم رحمٰن ورحیم کی عنایت ومہربانی سے ایک آیۃ کریمہ مجھے حاصل ہوئی، صبح تک وہ زبان پر جاری تھی مگر کچھ خوف ایسا تھا کہ میں بیان نہ کرسکی منہ سے نکلنا دشوار تھا اور اس کے معنی بھی مجھے معلوم نہ تھے جب معنوں پر غور کیا تو خوشی سے بھول گئی اور تمام فکر وغم بھول گئی اپنی اس خوش نصیبی پر فخر کیا اور اس خواب کو بیان کیا ہر شخص سنکر دنگ کرتا۔ اور والد مرحوم خوشی میں رونے لگے وہ آیت کریمہ یہ ہے:-

فلا تعلم نفس ما اخفی لھم	سو کسی کو معلوم نہیں جو چھپا دھرا ہے ان کے واسطے آنکھوں
من قرۃ اعین جزاءً بما کانوا	کی ٹھنڈک بدلہ اس کا جو کرتے تھے۔
یعملون ○ [1]	

بالآخر نانا صاحب کا فیصلہ اور ارادہ غالب رہا اور ۲۳ رمضان ۱۳۲۲ھ (۱۹۰۴ء) میں بخیر وخوبی یہ رشتہ ہوگیا۔ دادا صاحب اس رشتہ سے باغ باغ اور اپنے انتخاب پر مطمئن اور مسرور تھے والدہ صاحبہ

[1] "الدعاء والقدر" ص ۲۳

کے آتے ہی انھوں نے گھر کا سارا انتظام اور والدہ صاحبہ کی دو چھوٹی بہنوں کو جو دوسری والدہ سے تھیں والدہ صاحبہ کے حوالہ کر دیا۔ اور خود وہ اور دادی صاحبہ مرحومہ گھر اور بچوں کی طرف سے بالکل فارغ اور سبک دوش ہو گئے۔

خیر و برکت کا نزول

والدہ صاحبہ اپنے نئے گھر میں آئیں تو اس کا انھوں نے وہی نقشہ دیکھا جس کو وہ سنا کرتی تھیں: تنگی و ترشی کا زمانہ، کبھی فراغت کبھی فاقہ، گھر میں کئی کھانے والے اور دادا صاحب کی آمدنی برائے نام! ادھر نانی صاحبہ اپنی شفقت کی بناء پر اس ٹوہ میں رہتی تھیں کہ بیٹی کو کچھ تکلیف تو نہیں ہے۔ کبھی کسی ماما کو بھیجتیں کہ گھر میں کچھ پک رہا ہے یا نہیں؟ والدہ صاحبہ نے کئی بار سنایا کہ جب میں کسی کو اپنے میکے سے آتے دیکھتی تو چولھے پر ہانڈی رکھ کر اور آگ جلا دیتی تاکہ یہ معلوم ہو کہ کھانا پک رہا ہے۔ حالانکہ اس میں پانی کے سوا کچھ نہ ہوتا۔ بعض اوقات نانی صاحبہ اپنی فراست سے تاڑ لیتیں اور کھانے کا خوان لگا کر بھیج دیتیں۔ کچھ ہی عرصہ کے بعد والد صاحب نے مطب شروع کرنے کا ارادہ کیا۔ والدہ صاحبہ کہتی تھیں کہ مجھ سے مشورہ لیا۔ میں نے اس کی بڑی تائید کی۔ اور مطب کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ مطب شروع ہوتے ہی وہ پریشانی دور ہو گئی۔ آمدنی کا سلسلہ شروع ہوا اور بہت جلد اتنی برکت اور ترقی ہوئی کہ گھر کا نقشہ ہی بدل گیا۔ گھر جس کا بڑا حصہ خام تھا والدہ صاحبہ کی بلند ہمتی اور زندہ دلی سے اس کی تعمیر کا سلسلہ شروع ہوا۔ اور رفتہ رفتہ ایک پختہ حویلی بن گئی۔ دونوں بہنوں اور بھائی صاحب[1] کو اس طرح اپنی تربیت اور شفقت میں لیا کہ وہ ماں کو بھول گئے اور ساری عمر ان سب نے انھیں کو ماں سمجھا۔ جس گھر میں خود گھر والوں کو کبھی کبھی فاقہ کرنا پڑتا تھا اب وہاں ہر گھر سے زیادہ مہمانوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ رائے بریلی اور لکھنؤ میں اپنے پرایوں اور قریب و دور مہمانوں کا ملجا و ماویٰ بن گیا۔ اپنے اس گھر کا نقشہ اور اس کی خصوصیات اور تھوڑے عرصہ میں یہاں جو تبدیلی ہوئی اس کا ذکر خود انھوں نے اپنی تحریر میں کیا ہے اور وہ انھیں کی زبان سے سننے کے قابل ہے اس سے ان کے حقیقی جذبات اور ان کی سچی پسندی اور رغبت کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

"بے شک اس گھر میں دولت نہیں تھی مگر وہ خوبیاں تھیں جن پر تمام دولت نثار کر دی جائے۔ ایک علم ایسی چیز ہے جس کو حاصل کرنے کے لئے دولت ختم

[1] ڈاکٹر سید عبد العلی صاحب

کر دی جاتی ہے، جب بھی یہ دولت نصیب کم ہو جاتی ہے، پھر علم کے ساتھ ہزاروں خوبیاں موجود تھیں دولت وہ چیز ہے جس کے ساتھ ہزاروں جھگڑے ہوتے ہیں! اس مالک حقیقی نے دولت مندوں سے زیادہ مجھے عزت دی اور وہ مہربانیاں اور عنایات مجھ پر کیں جن کا اظہار کرنا امکان سے باہر ہے اس قلیل آمدنی میں وہ کام کروائے جو دولت مند نہیں کر سکتے۔ وہ ضرورتیں پوری کیں جو کسی وقت میں پوری نہ ہو سکتیں گھر کا نصف درجہ ایک مدت سے نامکمل پڑا تھا۔ بہتوں نے کوشش کی مگر کسی کو کامیابی نہ ہوئی علاوہ اس کے شادی وغیرہ کی کوئی صورت نہیں تھی، رسم و رواج بھی ضروری اٹھا دئیے گئے تھے ایک معمولی طریقے سے گذر ہو رہا تھا۔ یہاں میں اپنی خصوصیت نہیں بیان کرتی بلکہ اس مالک حقیقی کی قدرت اور دعا کی عظمت و برکت دکھاتی ہوں یہ کہ چند ہی روز میں یہ گھر قابلِ رشک ہو گیا۔ نہ وہ گھر رہا نہ وہ تنگی، تمام ضرورتیں نہایت فراغت اور خوبی کے ساتھ پوری ہوتی گئیں۔ نصف حصہ کیا ایک اچھی خاصی شاندار عمارت تیار ہو گئی جس گھر میں بجز فکر کے اور کچھ نہ تھا اس گھر کو مالک حقیقی نے مال، اولاد اور تمام خوبیوں سے بھر دیا۔ اور ہر حالت قابل اطمینان ہو گئی اس مالک حقیقی کی کچھ ایسی رحمتیں اور برکتیں مجھ پر متواتر نازل ہوئیں گویا رحمت کے دروازے کھل گئے۔ گھر جنت کا نمونہ بن گیا۔ تمام امیدیں سرسبز ہو گئیں، خیالات جو پست ہو رہے تھے ایسے وسیع ہونے کہ دوسروں تک کی سوچنے لگی۔ ہم کو اپنی ضرورتیں پوری کرنا دشوار تھا۔ اس کے فضل سے دوسروں کی ضرورتیں ہم سے پوری ہونے لگیں، پہلے ایک ماہ اطمینان سے نہ گذرتا تھا اب برسوں مہمانوں سے دسترخوان خالی نہ ہوتا۔ اس کی عنایت سے تمام نعمتیں موجود ہو گئیں ہر طرح کا آرام نہ کچھ فکر نہ کوئی اندیشہ"[1]

آگے چل کر لکھتی ہیں:۔

"یہ گھر میرے لئے جنت، اور یہ خدمت میرے لئے رحمت تھی، گویا میں سایۂ رحمت

[1] الدعاء والعقد ص ۳۰-۳۱

میں آ گئی، نہ کوئی فکر رہی نہ غم، ہر گھڑی شکر میں گذرنے لگی ؎

کس زباں سے کروں میں شکر ادا — تیرے انعام و لطف بے حد کا
تو نے مجھ کو کیا بنی آدم — اشرف الخلق اکرم العالم [۱]

صبر و شکر کی زندگی اور معمولات کی پابندی

سنہ ۱۳۲۶ھ (سنہ ۱۹۰۸ء) ہمارے گھر کے لئے بلکہ خاندان کے لئے عام الحزن و غم کا سال رہا۔ اسی میں ایک سال کے اندر اندر تقریباً دو مہینے کے وقفہ سے دادا صاحب اور نانا صاحب دونوں نے انتقال کیا۔ اس طرح میرے والد صاحب، اور میری والدہ صاحبہ دونوں کو ایک ہی طرح کا صدمہ پیش آیا۔ اور دونوں صحیح معنی میں ایک دوسرے کے شریک غم تھے۔ الحمدللہ کہ دونوں اس رشتہ کی کامیابی اور اس گھر کی ترقی و برکت دیکھ کر دنیا سے رخصت ہوئے۔ اب والدہ صاحبہ کا قیام زیادہ تر لکھنؤ رہنے لگا، انتظام خانہ داری کی ساری ذمہ داری ان پر تھی، مہمانوں کا وسیع سلسلہ تھا۔ خاندان کے کئی بچے تعلیم کے سلسلے میں مستقل طور پر مقیم رہتے تھے۔ بھائی صاحب تعلیم حاصل کر رہے تھے، مختلف مہمانوں اور خاص طور پر عزیزوں کی خاطر داری اور ان کی حیثیتوں اور مزاجوں کی رعایت سب کے حقوق کی ادائیگی بڑا نازک اور مشکل کام تھا۔ والدہ صاحبہ کی زندگی اس دور میں اس ایثار و قربانی کا نمونہ تھی جو ہندوستانی عورتوں کا طرۂ امتیاز اور دین دار و تربیت یافتہ مسلمان بی بیوں کا شعار رہے وہ والد صاحب کی اجازت کے بغیر باوجود اس کے کہ انھوں نے ان کو گھر کا مالک بنا رکھا تھا۔ ان کی چیزوں میں بلا اجازت تصرف کرنا قریب قریب ناجائز سمجھتی تھیں۔ گھر میں موسم کے جو پھل اور باہر سے جو تحائف آتے جب تک والد صاحب کی اجازت اور صراحت نہ ہوتی وہ اپنے بھانجوں بھتیجوں کو تو کیا اپنی اولاد کو بھی دینا گناہ سمجھتی تھیں۔ والد صاحب کے تعلقات بہت وسیع تو نہ تھے مگر بہت منتخب لوگوں سے تھے زیادہ تر یہ وہ لوگ تھے جن کا ان کے شیخ حضرت مولانا فضل رحمٰن صاحب گنج مرادآبادی سے تعلق تھا۔ ان میں بھی بہت سی خصوصیتوں کی بنا پر نواب سید صدیق حسن خاں بہادر رئیس بھوپال کے بڑے صاحبزادے نواب سید نور الحسن خاں مرحوم سے بہت گہرے اور مخلصانہ تعلقات تھے۔ ان کو والد صاحب سے ایسا تعلق تھا کہ ان کے بغیر ان کو چین ہی نہیں آتا تھا۔ اس خصوصی تعلق کی بنا پر والدہ صاحبہ اور ہمارے سب

---

[۱] الدعاء والقدر ص ۳۴

گھر والوں کا ان کی کوٹھی پر بار بار جانا ہوتا تھا۔ تقریب بلا تقریب کوئی مہینہ مشکل سے ایسا گذرتا تھا کہ کسی نہ کسی بہانہ سے ان کی بیگم صاحبہ بلاتیں اور دن دن بھر رہنا ہوتا۔ لیکن اس خلا ملا کے باوجود والدہ صاحبہ نے اپنا رکھ رکھاؤ اور اپنا طرز ویسے ہی قائم رکھا جیسا ان کے خاندان میں چلا آ رہا تھا۔ انکی سادگی خلوت پسندی، قناعت اور دنیا سے بے رغبتی میں سرمو فرق نہیں آیا۔ نواب صاحب مرحوم کے علاوہ والد صاحب کے چند اور مخلص دوست تھے جن کے یہاں آمد و رفت رہتی تھی۔ یہ سب دین دار، باخدا اور نہایت مخلص احباب تھے اور ان سب کا تعلق مولانا فضل رحمٰن صاحبؒ یا مولانا محمد نعیم صاحب فرنگی محلی سے تھا جو والد صاحب کے محبوب ترین استاد تھے۔ یا ان سے کوئی خاص علمی و دینی رشتہ تھا۔ ایک منشی محمد خلیل صاحب دوسرے منشی رحمت اللہ صاحب تیسرے حاجی شاہ محمد خاں صاحب اور چوتھے شیخ محمد عرب صاحب جو والد صاحب مرحوم کے استاد اور استاد زادہ تھے۔ زیادہ تر والدہ صاحبہ کا تقریبات اور بلاوے پر انھیں چند گھروں میں آنا جانا تھا۔

اس پورے عرصہ میں جس میں زندگی اور خاندان میں بہت سے نشیب و فراز آئے، متعدد اولادیں ہوئیں، خوشیاں بھی اور پریشانیاں بھی پیش آئیں۔ ان کے معمولات، دعا کا شغف، قرآن مجید کا دور برابر قائم رہا۔ رمضان المبارک میں قرآن مجید کا دور اور بعض اوقات اس کا تراویح میں ختم کرنے کا سلسلہ بھی تھا۔ بھائی صاحب کو والدہ صاحبہ سے اس وقت بھی انس تھا۔ جب ان کی والدہ حیات تھیں اور بعد میں تو انھوں نے ان میں اور اپنی ماں میں فرق نہیں سمجھا اور انھوں نے بھی ان کو ہمیشہ اپنی اولاد پر ترجیح دی۔ والد صاحب کی دونوں بہنوں اور بھائی صاحب کی شادی بڑے شوق، خوش سلیقگی، اور حسن انتظام سے کی۔

صدمۂ جانکاہ اور تسلیم و رضا کی زندگی

غرض یہ زمانہ ہر طرح سے فرحت و مسرت اور خیر و برکت کے ساتھ گذر رہا تھا کہ اچانک ۵ رجمادی الآخر سنہ ۱۳۴۱ھ (۲۲ر فروری سنہ ۱۹۲۳ء) کو والد صاحب کے انتقال کا واقعہ پیش آیا۔ پہلے سے طبیعت کچھ ناساز تھی، میرے چچا مولوی سید عزیز الرحمٰن صاحب کو کچھ چوٹ آ گئی تھی والد صاحب نے والدہ صاحبہ کو ان کی عیادت کے لئے ان کے یہاں بھیج دیا۔ مغرب کے بعد تک کام کیا۔ لوگوں سے ملاقاتیں کیں ندوہ کے کاغذات پر دستخط کئے۔ پھر اچانک مرض موت پیش آ گیا اور گھنٹہ دو گھنٹہ میں اپنے پیدا کرنے والے سے جا ملے، مجھے خوب

یاد ہے میری عمر اس وقت نو سال کی تھی، میں ہی والدہ صاحبہ کو لینے گیا۔ جب وہ آئیں اور ان کو واقعہ کی اطلاع ہوئی تو وہ سجدہ میں گر گئیں جو ہونا تھا وہ ہو چکا تھا خود ان کی زبان سے اس صدمہ اور اس پر صبر و رضا کا حال سنئے:۔

"جب خدمت کی مدت ختم ہونے کو آئی تو اس مالک حقیقی نے میرے حق میں بہتر سمجھ کر قسمت کا بہانہ پیش کر دیا، قسمت نے حکم ایزدی پا کر فوراً ہی فیصلہ کر دیا، میں اپنے مالک حقیقی کی رضا پر راضی ہو گئی مگر یہ غم جدائی ایسا نہ تھا کہ برداشت کر لیتی، یہ بھی اس کی رحمت اور حکمت تھی جو مجھے اپنی خوشی پر راضی رکھا ورنہ جو بھی حالت ہو جاتی کم تھی۔ ایسے مونس و رفیق کا یک بیک نظر سے غائب ہو جانا قیامت سے کم نہ تھا۔ میں نہیں کہہ سکتی کہ یہ دل پھر دل کی صورت میں کیونکر رہ گیا، بس یہ کہنا چاہیے کہ یہ حکم میرے لئے ہلاکت و مصیبت نہیں تھا بلکہ سراسر رحمت اور ذریعہ عنایت تھا کہ بجائے ہلاکت و بربادی کے مجھے اپنی سایۂ رحمت میں لے لیا۔ اور میرا ایسا مونس و غمخوار و مددگار ہو کر ہر موقع پر ساتھ دینے لگا۔ سبحان اللہ کیا شانِ رحمت ہے اس کی، اٹھی غم کی گھٹا اور رحمت ہو کر برس گئی جس سے تمام کھیتی سرسبز و شاداب ہو گئی۔"[1]

اس وقت لکھنؤ کے گھر میں مردوں میں میں ہی تھا، وہ بھی نو برس کی عمر، بھائی صاحب میڈیکل کالج لکھنؤ کی طرف سے (جہاں وہ تعلیم پا رہے تھے) طلبہ کی ایک جماعت کے ساتھ مدراس گئے ہوئے تھے، جہاں ڈاکٹری کا کوئی ایسا شعبہ تھا جو اس وقت تک لکھنؤ میں قائم نہیں ہوا تھا۔ بڑوں میں میرے والد صاحب کے حقیقی پھوپھی زاد بھائی مولوی سید عزیز الرحمٰن صاحب ندوی بھی لکھنؤ میں تھے مگر بیمار۔ اگلے دن (۳ فروری ۱۹۲۳ء) ۱۶ جمادی الآخرہ ۱۳۴۱ھ کو ہمارا چھوٹا سا سوگوار قافلہ اپنے وطن رائے بریلی کو روانہ ہوا جہاں والد صاحب کی تدفین اپنے خاندانی بزرگوں کے پہلو میں ہونی قرار پائی تھی لکھنؤ سے بظاہر ہم لوگ ہمیشہ کے لئے جدا ہو رہے تھے باپ کا سایہ سر سے اٹھ چکا تھا۔ بھائی پردیس میں تھے والد صاحب نے ترکہ میں صرف ایک روپیہ نقد چھوڑا تھا جو ان کی دواؤں کے صندوقچہ میں کہیں پڑا ہوا تھا، اور برسوں پڑا رہا۔ بشکل قرض کچھ فیسیں آمادہ کے ایک

[1] الدعاء والقدر ص ۳۴-۳۵

راجہ کے ذمہ تھیں۔ گھر میں شروع سے نہ کوئی جائداد تھی نہ جاگیر، روز کی آمدنی روز کا خرچ، پس انداز کرنے کا والد صاحب کا معمول نہ تھا۔ بھائی صاحب کی تعلیم ابھی نامکمل تھی اور غالباً دو سال باقی تھے مجھے اب یاد نہیں کہ ابتدائی زمانہ کس طرح گزرا، ہاں ہمارے ماموں نہایت شفیق اور والدہ صاحبہ کے جاں نثار بھائی تھے لیکن والدہ نے اپنی فطری ہمت اور اولوالعزمی سے ہم لوگوں کو محسوس نہ ہونے دیا کہ ہم لوگ یتیم ہو گئے ہیں اور اب پہلی سی حالت نہیں رہی۔

غالباً ہفتہ عشرہ کے بعد بھائی صاحب (جن کو حادثہ کا علم ایک عجیب طریقے سے بمبئی میں ہوا) اچانک رائے بریلی پہونچے، وہ منظر ابھی تک آنکھوں کے سامنے ہے والد صاحب کی قبر پر پہونچ کر ان کا بے قرار ہونا، رونا چشم تصور کے سامنے گویا کل کی بات ہے، پھر گھر آئے، ماں بیٹوں سے ملے اللہ تعالیٰ کی ہزار رحمتیں ہوں ان کی روح پر کہ پھر انھوں نے ایک لمحہ کے لئے محسوس نہ ہونے دیا کہ ہم لوگ باپ کے سایہ سے محروم ہو گئے ہیں۔ وہ دن اور ان کے دنیا سے کوچ کرنے کا دن کہ انھوں نے باپ کی طرح شفقت فرمائی، فرماں بردار اولاد کی طرح خدمت اور نازبردار بھائی کی طرح محبت کی، والدہ اور ہم سب بھائی بہنوں کے ساتھ ان کی سعادت مندی اور محبت پہلے سے کہیں بڑھ گئی، یہ ایک پوری کہانی ہے جس کے سنانے کا موقع والدہ صاحبہ کے تذکرہ میں نہیں۔ بھائی صاحب کا تذکرہ اور ان کی تاریخ ہے جب کبھی خدا توفیق دے گا یہ کہانی بھی سنائی جائے گی۔

وظیفۂ زندگی

رائے بریلی میں عدت کی مدت میں بھی اور اس کے بعد بھی والدہ صاحبہ کے دو ہی مشغلے تھے ایک دینی کتابوں کا سننا جن کے پڑھنے کی سعادت اکثر مجھے حاصل ہوتی تھی۔ دوسرے ان کی زندگی بھر کا وظیفہ دعا اور عبادت، اس زمانہ میں ہمارے خاندان میں ایک بڑا اچھا دستور تھا کہ جہاں کوئی ایسا غمناک واقعہ پیش آتا، دل دکھے ہوئے ہوتے یا کوئی پریشانی کی بات ہوتی تو "صمصام الاسلام" سنی جاتی۔ یہ مشہور مورخ واقدی کی مشہور کتاب "فتوح الشام" کا پچیس ہزار اشعار میں ترجمہ ہے یہ ترجمہ اور نظم ہمارے ہی خاندان کے ایک بزرگ، میرے والد صاحب کے حقیقی پھوپھا منشی سید عبدالرزاق صاحب کلامی کی لکھی ہوئی ہے جوش و خروش سے بھری ہوئی۔ درد و اثر میں ڈوبی ہوئی جنگ کا نقشہ ایسا کھینچتے کہ دل جوش سے اچھلنے لگتے ہیں اور نبض تیز ہو جاتی ہے شہادت کا ذکر اس طرح کرتے ہیں کہ خود راہِ خدا میں جان دینے کے لئے دل بیتاب ہو جاتا ہے اور صحابۂ کرام اور مجاہدین کے

غم کے سامنے اپنا غم بھول جاتا ہے۔ تسلّی اور تشفی۔ اور گھر میں صبر و سکون اور تسلیم و رضا کی فضا پیدا کرنے کے لئے یہ سب تدبیریں کی گئیں۔ اور تھوڑے دنوں میں دلوں میں سکون پیدا ہو گیا۔

تصنیفی مشغلہ

والدہ صاحبہ مناجاتیں اور نظمیں لکھ لکھ کر اپنا غم غلط کرتیں اور اپنے دل کو تسکین دیتیں خاندان کی بچیوں کو اپنے پاس رکھ کر ان کی تعلیم و تربیت میں مشغول رہ کر اپنا دل بہلاتیں۔ مناجاتوں اور نظموں کا پہلا مجموعہ "باب رحمت" کے نام سے ۱۹۲۵ء میں بھائی صاحب کی توجہ اور اہتمام سے شائع ہوا اور اس پر انھوں نے میرے نام سے ایک بہت موثر تعارفی مقدمہ لکھا۔[1] یہ کتاب بہت جلد گھر گھر پھیل گئی، بہت سی مسلمان بی بیوں اور دعا و مناجات کا ذوق رکھنے والی مستورات نے اس کو پڑھ کر مناجات کا لطف اور دعا کی لذت حاصل کی اور یہ مجموعہ نہایت مقبول ہوا۔[2] اپنے خاندان نیز دوسری مسلمان بچیوں کے لئے انھوں نے ایک دوسری کتاب لکھی جس میں دینی و اخلاقی ہدایات اور اچھی و خوشگوار ازدواجی زندگی کے اصول و آداب اور حقوق و فرائض و امور خانہ داری کی تعلیم کی ہے یہ کتاب بھی چند سال کے بعد "حسن معاشرت" کے نام سے چھپی اور مقبول ہوئی والدہ صاحبہ کھانے کی ترکیبوں اور نئے نئے نسخوں کی ایجاد میں بھی مجتہدانہ دماغ رکھتی تھیں۔ اس موضوع پر بھی انھوں نے ایک کتاب "ذائقہ" کے نام سے لکھی، جو ۱۹۳۰ء میں "نامی پریس" لکھنؤ میں چھپی اور بہت پسند کی گئی

والدہ صاحبہ کا میرے ساتھ معاملہ اور تعلیم و تربیت کا انداز

ادھر میری باقاعدہ تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا تو والدہ صاحبہ کو ایک نیا مشغلہ ہاتھ آیا جب تک رائے بریلی رہتا، میری نگرانی، اخلاقی اور دینی تربیت میں مشغول رہتیں۔ مجھے قرآن مجید کی متعدد بڑی بڑی سورتیں انھوں نے اسی زمانہ میں یاد کرا دی تھیں۔ باوجود اس کے کہ ان کی شفقت ضرب المثل تھی اور والد صاحب کے انتقال کی وجہ سے وہ میری دلداری اور ایک حد تک ناز برداری قدرۃً دوسری ماؤں سے زیادہ کرتی تھیں لیکن دو باتوں میں وہ بہت سخت تھیں ایک تو نماز کے بارے میں مطلق تساہل نہیں برتتی تھیں۔ میں عشاء کی نماز پڑھے بغیر اگر کبھی سو گیا، خواہ کیسی ہی گہری نیند ہو اٹھا کر نماز پڑھواتیں اور

[1] یہ تعارفی مقدمہ اسی شمارہ میں ملاحظہ فرمائیے۔

[2] بعد میں اسی کا ایک انتخاب نئے اضافوں کے ساتھ دو حصوں میں "کلید باب رحمت" کے نام سے مکتبہ اسلام نے شائع کیا اور بہت جلد ختم ہو گیا۔

نماز پڑھے بغیر ہرگز سونے نہ دیتیں۔ اسی طرح فجر کی نماز کے وقت پر جگا دیتیں اور مسجد بھیجتیں۔ پھر قرآن مجید کی تلاوت کے لئے بٹھا دیتیں۔ دوسری بات جس میں وہ قطعاً رعایت نہ کرتیں اور ان کی غیر معمولی محبت و شفقت اس میں حارج نہ ہوتی۔ وہ یہ کہ اگر میں کسی خادمہ کے لڑکے یا کام کاج کرنے والوں اور غریب بچوں میں سے کسی کے ساتھ کوئی زیادتی، ناانصافی کرتا یا حقارت اور غرور کے ساتھ پیش آتا۔ تو وہ مجھ سے نہ صرف معافی منگواتیں بلکہ ہاتھ تک جڑواتیں۔ اس میں مجھے کتنی ہی اپنی ذلت اور خفت محسوس ہوتی۔ مگر وہ اس کے بغیر نہ مانتیں، اس کا مجھے اپنی زندگی میں بہت فائدہ پہونچا۔ اور ظلم و تکبر و غرور سے ڈر معلوم ہونے لگا۔ اور دل آزاری اور دوسروں کی تذلیل کو کبیرہ گناہ سمجھنے لگا۔ اس کی وجہ سے مجھے اپنی غلطی کا اقرار کر لینا ہمیشہ آسان معلوم ہوا۔ جب لکھنؤ جاتا تو خطوط کے ذریعہ نصیحتیں اور ہدایتیں فرماتی رہتیں۔ اب ان کی تمام دل چسپیاں اور آرزوئیں سمٹ کر میرے اندر آ گئی تھیں، مجھے اپنے اسلاف کا صحیح جانشین، اپنے نامور والد کی سچی نشانی، اپنے خاندان کی خصوصیات کا حامل، نہ صرف خاندان بلکہ اسلام کا نام روشن کرنے والا اور دین کا مبلغ اور داعی دیکھنے کی آرزو ان کی زندگی کی سب سے بڑی آرزو اور چراغ زندگی تھا جس کی لَو سے ان میں توانائی، طاقت اور زندگی قائم تھی، ہر وقت اسی کی فکر، ہر وقت اسی کی دھن، ہر وقت اسی کی دعا، ہر وقت اسی کا تذکرہ، میرے لکھنؤ کے قیام اور میری ابتدائی تعلیم کے زمانہ میں انھوں نے جو مجھے طویل اور مفصل خط لکھے ہیں اور جن کا منتخب ذخیرہ میرے پاس بحمد اللہ محفوظ ہے وہ ان کے دلی جذبات کا آئینہ بلکہ ان کے کمالات اور خداداد صفات کا مرقع ہے جو اللہ تعالیٰ نے بالکل وہبی طریقہ پر ان کو عطا فرمائے تھے اور جو ان کی زندگی کا اصل جوہر تھا۔ تعلیم یافتہ اور دین دار مسلمان والدین نے اپنی اولاد کو جو خطوط لکھے ہیں۔ ان کے وسیع ذخیرے میں اس خدا کی نیک بندی کے جس نے ایک محدود گاؤں کے ماحول میں آنکھ کھولی۔ اور نہایت مختصر اور محدود تعلیم حاصل کی، یہ خطوط ایک خاص امتیاز رکھتے ہیں اگر ان کی زندگی کی کوئی اور علمی اور دینی یادگار اس کے علاوہ نہ ہوتی تو یہ خطوط ہی کافی تھے۔

اصل ہمارے خاندان میں انگریزی تعلیم اپنے پورے عروج پر تھی، زمینداری کی فراغت، زمانہ کا تقاضا، بڑے بڑے عہدوں کا لالچ، ترقی کرنے والوں کی مثالیں یہ سب اس کی تحریک و تشویق کے لئے کافی تھیں اور بڑے بڑے مضبوط مردوں کے پاؤں بھی اس بہاؤ میں ڈگمگا رہے تھے

خود والدہ صاحبہ کے ایک حقیقی بھانجے لندن میں بیرسٹری پاس کرنے کے لئے گئے تھے اور کچھ ہی عرصہ پہلے کامیاب ہو کر آئے تھے ایک حقیقی بھتیجے امریکہ گئے اور اس زمانہ میں وہ وہاں تعلیم پا رہے تھے اور ان کے خطوط برابر آتے اور پڑھے جاتے تھے۔ رشتہ کے ایک عزیز جرمنی اور جاپان جا کر اونچی ڈگریاں لائے تھے۔ ایک اور عزیز انڈین سول سروس کے لئے منتخب ہو گئے تھے اور تعلیم کی تکمیل کے لئے لندن گئے ہوئے تھے، اور میری نو عمری ہی تھی کہ وہ وہاں سے آ کر ایک بڑے عہدہ پر سرفراز ہوئے۔ میں خود لکھنؤ میں تعلیم حاصل کرتا تھا سارا ماحول اس تعلیم کی اہمیت و ضرورت کا مبلغ تھا۔ بھائی صاحب مرحوم نے میرے لئے عربی علوم دینیہ میں کمال پیدا کرنے کا راستہ ہی منتخب کیا تھا۔ ان کا خود خیال تھا کہ مجھے اس راستہ کو اپنانا چاہیے۔ بعض عزیزوں نے ان کو طعنہ دیا کہ یتیم بھائی کو عربی پڑھا رہے ہیں اور ملا بنا رہے ہیں۔ بھائی صاحب مرحوم خاص مزاج اور انداز کے آدمی تھے، بحث مباحثہ اور سوال و جواب سے ان کو بالکل مناسبت نہ تھی، انھوں نے اس کا ایک ایسا جواب دیا کہ اس کا جواب نہ تھا۔ انھوں نے کہا "کہ ہمیں اس سے کچھ مطلب نہیں، والد جو ان کو پڑھاتے وہ ہم ان کو پڑھا رہے ہیں"۔ بھائی صاحب کے اس فیصلے اور خواہش پر والدہ صاحبہ کا جذبہ اور ان کی ایمانی قوت اور دنیاوی اعزاز و منصب سے ان کی بے تعلقی نے سونے پر سہاگہ کا کام دیا۔

چند تربیتی خطوط

ایک زمانہ میں میری طبیعت دینی تعلیم سے کچھ اچاٹ سی ہونے لگی اور انگریزی تعلیم حاصل کرنے اور سرکاری امتحانات دینے کا دورہ سا پڑا، بھائی صاحب نے کسی خط میں یا رائے بریلی کے کسی سفر میں والدہ صاحبہ سے میرے اس نئے رجحان کی شکایت کی اس پر انھوں نے میرے نام جو خط لکھا اس سے ان کے دلی خیالات، جذبات اور ان کی قوت ایمانی اور دین سے محبت و عشق کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس خط کا ایک اقتباس جس پر کوئی تاریخ نہیں ہے لیکن غالباً ۱۹۲۹ء یا ۱۹۳۰ء کا لکھا ہوا ہے من و عن پیش کیا جا رہا ہے:

"علی! دنیا کی حالت نہایت خطرناک ہے اس وقت عربی حاصل کرنے والوں کا عقیدہ ٹھیک نہیں۔ تو انگریزی والوں سے کیا امید بجز عبید[1] اور طلحہ کے اور تیری

[1] عبید خاندان میں بھائی صاحب کی عرفیت تھی، طلحہ سے مراد میرے پھوپھا مولانا سید طلحہ صاحب ایم اے ہیں جو عرصہ تک اورینٹل کالج لاہور میں پروفیسر رہے اور اب کراچی میں ہیں۔

مثال نہیں پاؤ گے، علی! اگر لوگوں کا عقیدہ ہے کہ انگریزی والے مرتبہ حاصل کر لیتے ہیں، کوئی ڈپٹی ہو گئے اور کوئی جج، کم از کم بیرسٹر اور وکیل ہونا تو ضروری ہے مگر میں بالکل اس کے خلاف ہوں میں انگریزی والوں کو جاہل اور اس علم کو بے سود اور بالکل بیکار سمجھتی ہوں خاص کر اس وقت میں، نہیں معلوم کیا ہوا اور کس علم کی ضرورت ہو۔ اس وقت بھی البتہ ضرورت زیادہ تھی اس مرتبہ کو تو ایک ستر اچار بھی حاصل کر سکتا ہے، یہ عام ہے، کون ایسا ہے جو اس سے محروم ہے وہ چیز حاصل کرنا چاہیے جو اس وقت گراں ہے، کوئی حاصل نہیں کر سکتا جس کے دیکھنے کو آنکھیں ترس رہی ہیں۔ اور سننے کے لئے کان مشتاق ہیں آرزو میں دل مٹ رہا ہے لیکن وہ خوبیاں نظر نہیں آتیں۔

افسوس ہم ایسے وقت میں ہوئے۔ علی! تم کسی کے کہنے میں نہ آؤ۔ اگر خدا کی رضامندی حاصل کرنا چاہتے ہو اور میرے حقوق ادا کرنا چاہتے ہو تو ان مردوں پر نظر کرو جنھوں نے علم دین حاصل کرنے میں عمر گزار دی۔ ان کے مرتبے کیا تھے۔ شاہ ولی اللہ صاحب، شاہ عبدالعزیز صاحب شاہ عبدالقادر صاحب مولوی محمد ابراہیم صاحب[1] اور تمہارے بزرگوں میں خواجہ احمد صاحب اور مولوی محمد امین صاحب[2] مرحوم جن کی زندگی اور موت اس وقت قابل رشک ہوئی، کس شان و شوکت کے ساتھ دنیا برتی اور کیسی کیسی خوبیوں کے ساتھ رحلت فرمائی۔ یہ مرتبے کیسے حاصل ہو سکتے ہیں۔ انگریزی مرتبے والے تمہارے خاندان میں سب ہیں۔ اور ہوں گے مگر اس مرتبہ کا کوئی نہیں۔ اس وقت بہت ضرورت ہے ان کو انگریزی سے کچھ انس نہ تھا۔ یہ انگریزی میں جاہل تھے یہ مرتبہ کیوں حاصل ہوا۔ علی! اگر میرے سو اولادیں ہوتیں تو میں یہی تعلیم دیتی اب تم ہی ہو، اللہ تعالیٰ میری نیک نیتی کا پھل دے کہ سو کی خوبیاں تم سے حاصل ہوں اور میں دارین میں سرخرو اور نیک نام ہوں اور صاحب اولاد کہلاؤں، آمین ثم آمین یا رب العالمین۔

[1] اس سے مراد مولانا ابو محمد ابراہیم صاحب آروی مشہور اہل حدیث عالم ہیں جو ہمارے نانا سید شاہ ضیاء النبی صاحب کے مرید اور بڑے ربانی، حقانی عالم تھے ان کا وعظ بڑا موثر اور رقت آمیز ہوتا تھا ان کے ایک وعظ سے ہمارے خاندان کے نوجوانوں کی بڑی اصلاح ہوئی اور ان کی کایا پلٹ گئی ۶ ذی الحجہ ۱۳۱۹ھ کو مکہ معظمہ میں وفات پائی اور جنت المعلیٰ میں مدفون ہوئے۔

[2] مولانا سید محمد امین صاحب نصیر آبادی مراد ہیں۔

"میں خدا سے ہر وقت دعا کرتی ہوں کہ وہ تمہیں ہمت اور شوق دے وہ خوبیاں حاصل کرنے کا اور تمام فرائض ادا کرنے کی توفیق دے آمین، اس سے زیادہ مجھے کوئی خواہش نہیں البتہ اللہ تعالیٰ تمہیں ان مرتبوں کو پہونچائے اور ثابت قدم رکھے۔ آمین۔

علی! ایک نصیحت اور کرتی ہوں بشرطیکہ تم عمل کرو۔ اپنے بزرگوں کی کتابیں کام میں لاؤ۔ اور احتیاط لازم رکھو۔ جو کتاب نہ ہو وہ عبدہ کی رائے سے خرید و باقی دیکھتا رہ کافی ہیں۔ اس میں تمہاری سعادت مندی ظاہر ہوگی اور کتابیں برباد نہ ہوں گی اور بزرگوں کو خوشی ہوگی اس سعادت مندی کی مجھے بے حد خواہش ہے کہ تم ان کتابوں کی خدمت کرو۔"

ان کی سب سے بڑی خواہش اور فکر یہ تھی کہ میں اپنے بڑے بھائی کے اشاروں پر چلوں اور ان کی ہدایات پر آنکھ بند کر کے عمل کروں وہ بجا طور پر ان کو ہر صفت موصوف اور خاندان کی عظمت کا نشان سمجھتی تھی۔ ہمارے خاندان میں حضرت شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمے اور ان کی تفسیر موضح قرآن کو (جو ان کے قدیم تراجم کے حاشیہ پر چھپی ہوئی ہے) ہمیشہ اہمیت دی گئی اور اس کو ایک طرح سے عورتوں اور پڑھے لکھے مردوں کے نصاب میں سمجھا گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ بھائی صاحب کی تاکید کے باوجود میں نے روزانہ اس کے پڑھنے اور دیکھنے سے غفلت برتی اور زیادہ تر ادبی اور سطحی کتابوں کے مطالعہ میں منہمک رہتا تھا۔ بھائی صاحب نے غالباً کسی خط میں والدہ صاحبہ سے اس کی شکایت کی اس پر والدہ صاحبہ نے ایک طویل خط لکھا جس کا ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے۔

"جب تم یہاں تھے تو عبدہ نے خاص طور سے کہا تھا کہ شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ روز دیکھا کرو اور غور کیا کرو مگر تم نے ان کے حکم کی تعمیل نہ کی میں تلاش کر کے لائی اور روز کہتی بھی تم نہ مانتے رہے اور کم و بیش کتابوں میں مشغول رہے مجھے سخت ناگوار تھا مگر اس قدر بدخیالی نہیں ظاہر تھی۔ اس خط کو دیکھ کر جس قدر مجھے تکلیف ہوئی۔ میں کہہ نہیں سکتی، یوں تو

لہ اس سے مراد ہمارا چھوٹا سا آبائی کتب خانہ ہے جس میں بہت سی قلمی اور مطبوعہ کتابیں بزرگوں کے زمانہ سے چلی آرہی ہیں اور والدہ صاحب اور بھائی صاحب کو ان کا بہت خیال رہتا تھا اور میں اپنے بچپن اور لاابالی طبیعت کی وجہ سے ان سے زیادہ دلچسپی نہیں لیتا تھا۔

اس وقت کی حالت دیکھ کر مجھے بھی اطمینان نہیں تھا مگر اس وقت تمام امیدیں خوفناک صورت میں نظر آتی ہیں۔ علی! یہ نالائقی تمہاری سخت تکلیف دے رہی ہے مجھے تم سے یہ امید تو نہ تھی مجھے یہ خیال تھا کہ تم اپنے رفیق بھائی کے بالکل ہم خیال اور فرمانبردار ہو اسی خیال سے مجھے اطمینان تھا مگر افسوس ہے کہ ایسے بھائی جو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھے اور اپنی تمام ہمت تربیت میں صرف کرنے کو تیار ہے اس کی کوششوں کو ہیچ سمجھ کر تمام حقوق کو بھول جاؤ اور لاپرواہی اور خودمختاری برتو۔ یہ وہ رفیق بھائی ہے جس نے ایسے وقت میں تم پر ہاتھ دھرا کہ سوائے خدا کے کوئی نظر نہیں آتا تھا۔ میں تمہاری تعلیم کے لئے بلبلاتی تھی ——— وہ خود بھی پریشان تھے مگر خود ہی محنت گوارا کی۔ جو کچھ تمہیں حاصل ہوا انھیں کے فیض سے دیکھو یہ علم ہے، عمل ایسے کہتے ہیں، تم ادب میں ہزار بڑھ جاؤ تو عبدہ کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور نہ وہ خوبیاں تم پیدا کر سکتے ہو۔ کیونکہ اس وقت کے خیالات یہ موقع ہی کب دیں گے عبدہ ایسا عالم اور قابل شخص اگر اس وقت میں دیکھنا چاہو تو نہیں پا سکتے، تمہارے خاندان کی ہر خوبی کا نشان عبدہ ہیں۔"

آگے چل کر تعلیم میں انہماک، جفاکشی اور قدیم طالب علمانہ صفات کی تلقین کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

"تمام باتوں کا شوق بے کار سمجھو، شوقین مزاج والوں سے دلچسپی نہ رکھو طالبعلموں کو پھٹے پڑھنا چاہیے کپڑے پھٹے ہوں یا جوتہ، کچھ شرم کی بات نہیں۔ بلکہ فخر کرنا چاہیے یہ حالت فلاح بہبودی کا باعث ہوتی ہے انھیں تکلیفوں میں علم کی قدر ہوتی ہے عقلمند اور خوش نصیب وہ ہے جو نایاب چیز حاصل کیسے؟ وہ کیا ہے، شریعت کی پابندی، اس وقت کا علم عام ہے ہر کسی کو میسر ہے، دو چار کتابیں لیں سب قابل ہو گئے۔ ہزاروں خطرے پیش نظر رہتے ہیں۔ یہ خط اگر دل چاہے، غور سے دیکھنا اور اکثر اس پر نظر ڈالتے رہنا:"

ایک اور خط میں علوم دینیہ اور عربی تعلیم پر پوری توجہ صرف کرنے اس میں امتیاز پیدا کرنے اور علمائے سلف کے نقش قدم پر چلنے کی تاکید کرتے ہوئے لکھتی ہیں:-

"اب عربی میں محنت کرو۔ گو بے قاعدہ نہیں، صحت کا ضرور خیال رکھو تندرستی ہے تو سب کچھ حاصل ہو سکتا ہے۔ اگر تم اتنی محنت عربی میں کرتے تو آج بہت کچھ حاصل

ہو جاتا[1]۔ توجہ کرکے جو کتابیں باقی ہیں پوری کرلو اور جہاں تک ممکن ہو اگلے علماء کی سی لیاقت پیدا کرو۔ وہی معلومات حاصل کرو کہ کوئی بات شریعت کے خلاف نہ ہو اور تمام مسئلوں سے بخوبی واقف ہو جاؤ۔ اس وقت اُسی علم کی ضرورت ہے اس وقت کے علماء کچھ نہیں جانتے اور فتنہ پیدا کرتے ہیں۔ میری دلی تمنّا ہے کہ تم علم میں وہ مرتبہ حاصل کرو جو بڑے بڑے علماء نے حاصل کیا جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترس رہی ہیں کان مشتاق ہیں۔ دل شوق میں مٹا جاتا ہے۔ علی! اس سے زیادہ کوئی خواہش نہیں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتی ہوں کہ وہ تمہیں وہی خوبیاں عطا کرے کہ وہی وقت آجائے"۔ آمین"

ان کی بڑی خواہش تھی کہ میں خالص دینی وعظ کہنے اور اللہ و رسول کے احکام سنانے کے قابل بنوں اور لوگوں کو دینی نفع پہونچے۔ اسی خط میں فرماتی ہیں۔

"تمہیں انشاء اللہ رمضان میں وعظ کہنا ہوگا، تیار ہو جاؤ، اللہ تعالیٰ میری خواہش پوری طور سے پوری کرے۔ آمین"

میرے طویل طویل سفر اور والدہ کا ایثار اور دین کی خاطر قربانی و مجاہدہ

والدہ صاحبہ کے لئے سخت مجاہدہ اور امتحان بلکہ جہادِ اکبر میرے طویل طویل سفر تھے جو اللہ تعالیٰ کی بہت سی معلوم اور نہ معلوم حکمتوں کی بناء پر گویا میرے لئے مقدر ہو چکے ہیں۔ جس سراپا شفقت، اور کمزور دل کی ماں کا یہ حال ہو کہ لکھنؤ میں ہونے کے باوجود بھی اگر خط میں دیر ہو تو بے چین ہو جائیں اس کے لئے ملک اور ملک سے باہر کے طویل طویل سفر اگر جہادِ اکبر نہیں تو اور کیا ہے شاید اللہ تعالیٰ نے اسی میں ان کو جہاد کا بہت کچھ ثواب دے دیا ہو۔ غالباً ۱۹۳۱ء میں حضرت مولانا احمد علی صاحب سے تفسیر پڑھنے کے شوق میں اور ان کی صحبت سے فائدہ اٹھانے کے لئے لاہور گیا۔ وہاں سے قادری سلسلے کے ایک بڑے بزرگ جو خود حضرت مولانا احمد علی صاحب کے شیخ تھے حضرت خلیفہ غلام محمد صاحب دین پوری کی زیارت اور ملاقات کے لئے پنجاب اور سندھ کی سرحد خان پور جانے کا ارادہ کیا، اور

---

[1] اس زمانہ میں میں نے بے قاعدگی اور بے اعتدالی کے ساتھ انگریزی کتابیں پڑھنی شروع کی تھیں۔ جن سے صحت اور آنکھ پر بہت اثر پڑا تھا۔

والدہ صاحبہ کو اس ارادہ کی اطلاع کی، اس کے جواب میں انھوں نے تحریر فرمایا:۔

"تم نے سندھ جانے کا ارادہ ظاہر کیا ہے اس سے فکر ضرور پیدا ہوگی نہیں معلوم وہ کدھر ہے اور وہاں کے حالات کیا ہیں۔ اور کتنے روز رہنا ہوگا اگر عبد اور طلحہ کی رائے ہے تو مناسب ہے مگر تم کل حالات سے اطلاع دو تو بہتر ہے کہ اطمینان ہو جائے اللہ تعالیٰ تمہیں پوری کامیابی حاصل کرائے بس یہی آرزو ہے یہی وجہ تھی جو اس دور دراز سفر کو تمہارے لئے گوارہ کر لیا۔ ورنہ ایسے دل والوں کے لئے سخت دشوار اور ناممکن تھا منظور کرنا۔ میں تمہیں اس کی حفاظت میں دے چکی، وہی خوب حفاظت کرنے اور ساتھ دینے والا ہے میں کیا کر سکتی ہوں ؎

تیرے محفوظ کو کوئی ضرر پہونچا نہیں سکتا
عناصر چھو نہیں سکتے فلک دھمکا نہیں سکتا

بس یہ کہہ کر دل کو سمجھا لیتی ہوں اور پورا یقین ہے اس کی رحمت پر اللہ تعالیٰ سے ہر وقت دعا ہے کہ وہ تمہیں توفیق دے نیک کاموں کی اور علوم دین کے پورے مرتبہ کو پہونچائے اور ثابت قدم رکھے کہ دنیا اور آخرت میں نیک نام ہو"

اس کے بعد تو سفروں کا تانتا بندھ گیا اور بیرون ملک کے وہ سفر شروع ہوئے جن میں سے بعض میں ایک سال سے زیادہ مدّت لگ گئی، اس عرصہ میں مصر و شام و حجاز کے پتے پر ان کے جو خطوط آئے وہ شفقت مادری اور قوت ایمانی دونوں کا ایک دلکش مرقع ہیں طوالت کے خوف سے ان خطوط کے اقتباسات پیش نہیں کئے جاتے۔

دعوت و تبلیغ کا ذوق

۱۹۴۰ء (۱۳۵۹ھ) میں میری حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہلی حاضری ہوئی یہاں سے میری زندگی کا دوسرا دور شروع ہوا، یہ گویا ایک نئی دنیا کی دریافت تھی۔ اور ایک نئی شخصیت اور حقیقت کا انکشاف، دہلی سے واپسی پر میں نے اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ جو زیادہ تر دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مدرس اور طالب علم تھے لکھنؤ اور اس کے قرب و جوار میں تبلیغی جماعت کے اصول پر اور حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کی روحانی سرپرستی میں ٹوٹا پھوٹا تبلیغی کام شروع کیا۔ اس سے سب سے زیادہ خوشی والدہ صاحبہ

اور بھائی صاحب کو ہوئی، دونوں کا اصل ذوق اور زندگی کی سب سے بڑی تمنا دین کی اشاعت، اور تبلیغ و دعوت کا کام تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے کہ والدہ صاحبہ کو میرے کسی خط یا کسی کی گفتگو سے ایسا احساس ہوا کہ وہ پہلا سا ذوق و شوق نہیں رہا، اس پر انھوں نے اپنی فکرمندی کا اظہار کیا، اسی زمانہ کے ایک خط میں تحریر فرماتی ہیں۔

"تبلیغ میں کوشش کرتے رہو کہ ترقی ہو، ابتدا میں جو جوش اور شوق تھا تمہیں، عبدہ کو بھی اس میں کچھ کمی معلوم ہوتی ہے یہ ضرور ہے کہ ابتدائی حالت نہیں رہ سکتی۔ مگر سلسلہ جاری رہے تو شوق بھی بڑھتا رہے گا، اللہ تعالےٰ سے یہ دعا ہے کہ تم سے وہ کام کرالے جو اپنے نیک اور مقبول بندوں سے کرواتے ہیں اور تکبر اور غرور، ریا سے بچائے اور تمہاری ترقی و کامیابی قابل رشک ہو، آمین، اللہ تعالیٰ میری دعائیں سب قبول کرے۔ امین۔"

مولانا محمد الیاس صاحب کا ایک مکتوب

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے کام سے میرا ربط برابر بڑھتا گیا اور رفتہ رفتہ گھر میں ان کا اور ان کی بندگی کا تذکرہ بھی ہر وقت رہنے لگا۔ خود میں اپنے خطوط میں یا زبانی گفتگو میں والدہ صاحبہ اور بھائی صاحب کی اس کام سے خوشی اور ان کی پسندیدگی کا تذکرہ بھی "وقتاً فوقتاً" کرتا۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کے بعض خطوط میں اس پر مسرت اور اطمینان کا اظہار فرمایا گیا ہے اور بلند الفاظ میں والدہ صاحبہ کا تذکرہ ہے ایک گرامی نامہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"جناب کا اور برادر محترم اور سب سے بڑھ کر حضرت عالیہ مخدومہ محترمہ جنابہ والدہ صاحبہ کا اس کو قبولیت کی نظر سے توجہ فرمانا یہ جناب کی خوبی کی شہادت اور طبیعت کی موزونی کی خبر دے رہا ہے اور مجھ ناچیز، تہی دست کے لئے ایک مبارک دامن تلے آنے کی جھلک دکھلا رہا ہے۔ اسی قدر اس کام کے لئے اپنے معدن میں پہونچنے کی امید دلاکر دنیا میں کچھ قیام کرنے اور جڑ پکڑنے کی امید دلا رہا ہے۔ اللھم اصنع بنا ما أنت اھلہ ولا تصنع بنا ما نحن اھلہ "حضرت والدہ صاحبہ کو میرا سلام بھی تحریر فرمادیں اور دعا کے لئے درخواست فرمادیں"۔[1]

[1] مکاتیب حضرت مولانا شاہ محمد الیاسؒ صفحہ ۲۱۔۲۲ (مطبوعہ کتبخانہ انجمن ترقی اردو دہلی

حضرت مولانا محمد الیاسؒ سے بیعت و ارادت اور حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی سے تجدید بیعت

یہ تعلق یہاں تک بڑھا کہ (جولائی ۱۹۴۳ء) رجب ۱۳۶۲ھ میں حضرت مولانا میری ناچیز دعوت اور خواہش پر رفقاء اور خدام کی ایک جماعت کے ساتھ لکھنؤ تشریف لائے اور پورا ایک ہفتہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مہمان خانہ میں قیام فرمایا، مزید کرم اور ذرہ نوازی یہ فرمائی کہ ہمارے وطن دائرہ حضرت شاہ علم اللہؒ رائے بریلی ۲۵ جولائی ۱۹۴۳ء ۲۲ رجب ۱۳۶۲ھ بروز اتوار قدم رنجہ فرمایا۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب، حضرت حافظ فخر الدین صاحب پانی پتی اور چند اور رفقاء ساتھ تھے۔ والدہ صاحبہ اس وقت تک کسی بزرگ سے بیعت نہیں ہوئی تھیں ایک خواب کی بناء پر جس میں ان کو خیال تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی بیعت میں قبول فرمالیا ہے انھوں نے خود اپنے والد ماجد سے جو شیخ کامل تھے بیعت کی ضرورت نہ سمجھی لیکن اس موقع پر ان کے دل میں بیعت کا تقاضہ پیدا ہوا۔ اور انھوں نے مجھ سے اس کا اظہار کیا۔ میں نے مولانا سے عرض کیا۔ مولانا نے نماز استخارہ کے بعد فوراً ہی اس کو قبول فرمالیا۔ اور والدہ صاحبہ دوسری عزیز مستورات کے ساتھ داخل بیعت ہوگئیں، مولانا کی زندگی تک یہ تعلق و ربط قائم رہا۔ مولانا کی وفات کے بعد لکھنؤ میں حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ کی کسی آمد کے موقع پر جو ہمارے یہاں برابر ہوتی رہتی تھی تجدید بیعت کی۔ ہمارا گھر تقریباً پورا اس وقت تک مولانا مدنی ہی سے بیعت تھا اس لئے اس کا خیال پیدا ہونا، خصوصاً حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی وفات کے بعد کچھ خلاف قیاس نہیں۔

سفر حج و زیارت

سنہ ۱۳۶۶ھ (۱۹۴۷ء) میں حضرت مولانا محمد یوسف صاحب اور حضرت شیخ الحدیث نے میرا حجاز سلسلۂ دعوت و تبلیغ جانا تجویز فرمایا مجھے اس وقت تک حج کی سعادت حاصل نہیں ہوئی تھی، اللہ تعالےٰ نے دل میں ڈالا کہ والدہ صاحبہ، اہلیہ اور ہمشیرہ کو بھی ساتھ لے جاؤں اور اپنے رفیق و معاون کے طور پر میرے بڑے بھانجے عزیزی مولوی محمد ثانی سلمہ بھی ساتھ ہوں، ہمارے خاندان میں اللہ تعالےٰ کی بہت سی نعمتوں اور سعادتوں کے باوجود حج کا سلسلہ عرصہ تک بند تھا۔ آخری فرد خاندان جو حج سے مشرف ہوئے وہ میرے بھائی صاحب تھے جنھوں نے سنہ ۱۳۴۴ھ (۱۹۲۶ء) میں حج کیا، والد صاحب اور ہمارے خاندان کے دوسرے افراد کو مختلف معذوریوں کی بناء پر شدید شوق کے باوجود یہ موقع نہ ملا تھا

۷ر شعبان ۱۳۶۶ھ بروز پنجشنبہ (۲۶ر جون ۱۹۴۷ء) میں ہمارا چھوٹا سا قافلہ جو پانچ افراد پر مشتمل تھا۔ کراچی کے راستہ حجاز کو روانہ ہوا، کراچی میں تبلیغی جماعت کے اہم کارکن اور کراچی کے بڑے تاجر حاجی عبدالجبار صاحب نے اپنے بڑے بھائی حاجی عبدالستار صاحب دہلوی کی کوٹھی پر ہمارے قیام کا انتظام کیا اور ان کے سارے گھر نے میزبانی کا حق ادا کیا۔ گیارہ روز کراچی قیام رہا پھر اسلامی جہاز سے ہم لوگ حجاز روانہ ہوئے۔ ایک ممتاز تبلیغی جماعت ساتھ تھی۔ والدہ صاحبہ اہلیہ اور ہمشیرہ فرسٹ کلاس کے کیبن میں تھیں اور ہم دونوں ڈیک کے مسافر تھے۔ اس سفر میں قدم قدم پر جو غیبی مددیں جو بے سان و گمان آسانیاں جو راحت کے سامان، جو رفقائے جہاز کی اخوت و محبت جو سرزمین حجاز پر خدا کی مددیں اور دستگیریاں ہوئیں، ان کو میں والدہ صاحبہ کی مقبولیت اور ان کی ضعیفی اور کبر سنی پر رحم و کرم کا نتیجہ سمجھتا ہوں، ایسے ذوق و شوق کا سفر اور ایسی کھلی مددیں اس کے بعد کے سفروں میں جو متعدد بار پیش آئے کم تر ہی دیکھنے میں آئیں۔ ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم

جدہ عین اس دن پہونچا ہوا جب دن رمضان کا چاند دیکھا گیا دو روزے جدہ میں رکھکر ۳ر رمضان کی شب میں ہم لوگ مدینہ طیبہ روانہ ہوئے۔ مولانا منظور صاحب کی کتاب "آپ حج کیسے کریں" میں اپنے مضمون "اپنے گھر سے بیت اللہ تک" میں اس سفر کے کچھ حالات لکھ چکا ہوں یہ وہ سفر تھا — جو والدہ صاحبہ کی عمر کابی میں ہوا۔ اللہ کا فضل خاص تھا کہ مدینہ کا رمضان نصیب ہوا۔ شوال کا مہینہ بھی وہیں گزرا، ۲۰ر ذی قعدہ کو ہم لوگوں نے حج کا احرام باندھا "باب النساء" کے بالکل سامنے مدرسہ علوم شرعیہ کے ایک دو منزلہ مکان میں ہم لوگوں کا قیام تھا۔ مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے بھائی مولانا سید محمود صاحب کی مہربانی سے یہ دو منزلہ مکان پورا ہم لوگوں کو ملا ہوا تھا والدہ صاحبہ کی پانچوں نمازیں جماعت کے ساتھ مسجد نبوی میں ہی ہوتی تھیں۔ ایک شب احد میں مولانا سید محمود صاحب کے مکان میں گزری اور دن بھر وہاں رہنا ہوا۔ مکہ معظمہ میں حج سے پہلے رباط ٹونک اور حج کے بعد مدرسہ فخریہ میں جو باب ابراہیم پر حرم شریف ہی میں داخل تھا۔ قیام رہا۔ طواف اور نمازوں میں بڑی سہولت تھی عرفات میں والدہ صاحبہ سب سے الگ ہو کر برابر دعا اور مناجات میں مشغول رہیں۔ تبلیغی رفقاء بالخصوص مولانا عبید اللہ صاحب بلیاوی اور مفتی زین العابدین صاحب لائل پوری کی رفاقت و معیت سے ہمارے قافلہ کو بڑی ہی راحت پہونچی حج کے بعد مکہ معظمہ میں باطمینان رہنے کا موقع ملا۔ غالباً

تین مہینے وہاں گذرے۔

واپسی

ہم لوگ مدینہ طیبہ ہی میں تھے کہ ہندوستان کی تقسیم عمل میں آئی اور پاکستان بنا، کشت و خون اور لرزہ خیز واقعات کی اطلاعات برابر پہونچ رہی تھیں۔ ہندوستان کے مسلمانوں اور اپنے عزیزوں اور دوستوں میں ہم سب کا دل لگا ہوا تھا۔ یہ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ ہم کن کن کو زندہ اور سلامت دیکھیں گے اور کس سے اب قیامت ہی میں ملنا ہوگا۔ دسمبر ۱۹۴۷ء میں ہم لوگ ہندوستان کے لئے روانہ ہوئے۔ بھائی صاحب کی ہدایت کے مطابق ہم لوگ کراچی نہیں اترے (جہاں سے ہم لوگوں نے سفر شروع کیا تھا) بلکہ بمبئی آئے اور وہاں سے جیسا کہ اس زمانہ میں انتظام تھا مسلح پولیس کی حفاظت میں اس ڈبہ میں جو مسلمانوں کیلئے مخصوص کر دیا جاتا تھا ہم لوگ لکھنؤ کے لئے روانہ ہوئے۔ لکھنؤ پہونچکر الحمد للہ اپنے سب عزیزوں اور دوستوں کو بخیریت پایا اور سب کی خیریت کی خبر سنی۔

لکھنؤ اور رائے بریلی کا قیام

حج سے واپسی کے بعد والدہ صاحبہ کا قیام زیادہ تر رائے بریلی رہنے لگا۔ کبھی بھائی صاحب کی خواہش پر لکھنؤ آکر ہفتوں اور مہینوں قیام کرتیں، ۲۱ر ذی قعدہ ۱۳۸۰ھ بروز یکشنبہ (۷ر مئی ۱۹۶۱ء) میں بھائی صاحب کا لکھنؤ میں انتقال ہوا۔ یہ حادثہ والدہ صاحبہ کے لئے ضعیفی میں بہت سخت اور جانکاہ تھا۔ والد صاحب کے انتقال کے بعد یہ سب سے بڑا صدمہ تھا جو انھوں نے برداشت کیا۔ اس کے بعد سے اب قیام گویا مستقل رائے بریلی ہی ہو گیا۔ لیکن اسی سال ربیع الآخر ۱۳۸۱ھ (ستمبر ۱۹۶۱ء) میں وطن میں سخت سیلاب آیا۔ گھروں تک کے اندر پانی آ گیا۔ مجبور ہو کر ہم سب لکھنؤ منتقل ہوئے اور تقریباً ایک سال وہاں رہنا پڑا۔ یہ والدہ صاحبہ کا آخری سفر تھا۔ جمادی الآخرہ ۱۳۸۲ھ (اکتوبر ۱۹۶۲ء) میں لکھنؤ سے رائے بریلی واپسی ہوئی پھر اس کے بعد سفر آخرت ہی فرمایا۔ اور رائے بریلی سے باہر کہیں جانا نہیں ہوا۔

سحر خیزی اور اوراد و وظائف کی کثرت

اب ضعف و کبر سنی بڑھتی جا رہی تھی، ۱۹۳۱ء میں والدہ صاحبہ نے بھائی صاحب کے مشورے سے یکے بعد دیگرے دونوں آنکھوں کا موتیا بند کا آپریشن کرایا تھا جو کامیاب رہا لیکن پڑھنے لکھنے کی مشغولیت اور ضروری احتیاطیں ملحوظ نہ رکھنے کی وجہ سے چند سال کے بعد نظر بہت کمزور ہو گئی اور ۱۹۶۳ء میں تقریباً روشنی جاتی رہی لیکن معمولات کی پابندی اور اوراد و وظائف اور دعا و مناجات کی مشغولیت میں اضافہ ہی تھا

کمی نہ تھی صرف قرآن مجید دیکھ کر پڑھنا ممکن نہ تھا۔ مجھے جب سے ہوش ہے میں نے ان کو تہجد کا پابند پایا۔ روز بروز سحر خیزی میں اضافہ تھا۔ اور اس کا بہت زیادہ اہتمام تھا ان کی اصل خوشی اور ذوق کا وقت وہی ہوتا تھا، باوجود اس کے کہ اکثر ان کی آنکھ خود کھل جاتی، الارم لگانے کا بڑا اہتمام رکھتیں، گھڑی صحیح رکھتے اور طلوع و غروب کے صحیح وقت معلوم کرنے کا بڑا اہتمام تھا آخر میں ہم لوگوں کی کوشش رہتی تھی کہ ضعف اور مختلف قسم کی شکایتوں کی بناء پر وہ بہت پہلے سے نہ اٹھیں، مگر وہ نہیں مانتی تھیں۔ آخر میں مجھے تاکید تھی کہ جب میں صبح کی نماز کے لئے جانے لگوں تو ان کو بتا دوں روزانہ تقریباً یہ ہوتا تھا کہ جب میں کہتا کہ صبح ہوگئی، تو وہ اس حسرت کے ساتھ پوچھتی تھیں کہ جیسے کچھ پہلے ہوگئی، اور کچھ حسرت رہ گئی۔

کبر سنی اور معذوری میں انکی خدمت و تیمارداری

اخیر میں بطور خود نقل و حرکت بھی ان کے لئے دشوار ہوگئی تھی۔ بغیر سہارے کے ان کا چند قدم چلنا بھی مشکل ہوگیا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی اور عنایتوں کے ساتھ ان پر ایک خاص عنایت یہ تھی کہ ان کو ایسی سعادت مند، فرمانبردار اور خدمت گزار اولاد اور اولاد کی اولاد عطا فرمائی، جنھوں نے کسی لاچاری اور بے بسی کا احساس ہی نہ ہونے دیا۔ ایک طویل عرصہ تک ان کی ایسی خدمت ہوئی جو بڑے بڑے باوجاہت اور صاحب حیثیت مردوں اور عورتوں کو نصیب نہیں ہوتی۔ ہر ایک ان کی خدمت کرنا اور ان کو راحت پہونچانا اپنے لئے نہ صرف سعادت بلکہ عبادت سمجھتا تھا۔ اور دل و جان سے اس کے لئے حاضر تھا۔ میری دو بڑی بہنیں ہیں اور دونوں برسوں سے ان کے قریب ہی بلکہ ان کے پاس رہیں۔ ایک عزیزان مولوی محمد ثانی، محمد رابع اور محمد واضح سلمہم کی والدہ امۃ العزیز صاحبہ جو خود اور ان کی پوتیاں ہمیشہ خدمت کے لئے مستعد اور حاضر رہیں۔ دوسری بہن جو ماشاء اللہ خود صاحب قلم اور شاعر ہیں امۃ اللہ تسنیم صاحبہ "رضوان" کی ایڈیٹر اور "زادِ سفر" کی مصنفہ، والدہ صاحبہ کی خدمت و رفاقت کی سعادت کا سب سے بڑا حصہ انھیں کے نصیب میں آیا۔ ان کی زندگی کا سب سے بڑا مشغلہ اور وظیفہ والدہ صاحبہ کی خدمت، دیکھ بھال اور علیل ہوں تو تیمارداری رہی اور انھیں کو سب سے زیادہ طویل عرصہ تک اور مسلسل طریقے پر اس کا شرف حاصل ہوا۔ ہم بھائی بہنوں میں سب سے زیادہ انھیں نے یہ دولت کمائی۔

اسلام کے غلبہ اور دین کے فروغ کی آرزو

کبر سنی کے باوجود حواس اور سماعت میں ادنیٰ فرق نہیں آیا تھا۔ دل و دماغ پورے طور پر اپنا کام کرتے تھے، بعض نئی باتیں تو بھول جاتی تھیں، اور جن کی نئی آمد و رفت شروع ہوئی تھی ان کے ناموں کا تو کبھی کبھی ذہول ہو جاتا تھا لیکن پرانے لوگ ان کو خوب یاد تھے۔ اور بعض ایسی ایسی چھوٹی پرانی باتیں یاد دلاتیں کہ حیرت ہو جاتی۔ غالباً یہ ان کی خوش اوقات ہونے اور اوراد و وظائف کی برکت تھی کہ آخر تک صحیح الحواس رہیں اور دل و دماغ نے اپنا کام کرنا کبھی نہیں چھوڑا۔

اس زمانہ میں بھی ان کو اسلام کے غلبہ، دین کے فروغ کی حد درجہ آرزو تھی۔ اس کی ہر خبر سے ان کا رویاں رویاں تازہ ہو جاتا تھا۔ اور وہ اپنا غم بھول جاتی تھیں، ان کی سی دین کی حمیت، اور اس کے غلبہ کا شوق میں نے اچھے اچھے مردوں میں نہیں دیکھا، ہر وقت اسی کی دھن اور اسی کی فکر رہتی تھی کبھی کبھی اس لحاظ سے ان کے اندر ان کے شیخ اول حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی جھلک نظر آنے لگتی تھی۔ بہت بے چین ہوتی تھیں تو اشعار میں اپنے اس جذبہ اور آرزو کا اظہار کرتی تھیں۔ خود لکھ پڑھ نہیں سکتی تھیں۔ عزیزی محمد ثانی کی لڑکی، یا ہمشیرہ کو لکھوا دیتیں۔ دشمنانِ اسلام سے اور اسلام اور مسلمانوں کو ذلیل کرنے والوں سے (جن کا تذکرہ مجلس میں وقتاً فوقتاً ہوتا رہتا تھا) سخت نفرت تھی اور ان پر ان کو سخت غصہ آتا تھا اور یقین ہے کہ ان کے لئے ہدایت کی دعائیں یا ہلاکت کی بد دعائیں بھی کرتی ہوں، میرے لئے ان کی سب سے بڑی آرزو یہ تھی کہ مجھ سے دین کی تقویت اور اسلام کی اشاعت ہو، کبھی کبھی مجھ سے پوچھتیں۔ علی! تمہارے ہاتھ پر کبھی کوئی مسلمان بھی ہوا ہے؟ میں کہتا کہ ہاں، اکّا دکّا کبھی کسی نے کلمہ پڑھا ہے، فرماتیں کہ یہ آرزو ہے کہ جماعت کی جماعتیں تمہارے ہاتھ پر مسلمان ہوں، ایک روز بڑی ٹھنڈی سانس لے رہی تھیں۔ چھوٹی ہمشیرہ نے کہا کہ آخر آپ کیا چاہتی ہیں؟ کیا آپ کی خواہش ہے کہ علی نبی ہو جائیں؟ فرمایا، کہ کیا میں نہیں جانتی کہ نبوت ختم ہوگئی، میری آرزو ہے کہ ان کے ہاتھ پر جماعتوں کی جماعتیں اسلام لائیں اور دنیا میں ایک کونے سے دوسرے کونے تک اسلام کا ڈنکا بج جائے

سنت کی پیروی اور دنیا سے بیزاری

آندھی بلکہ تیز ہوا، سخت بارش اور چمک گرج سے ان کو بڑی وحشت اور گھبراہٹ ہوتی تھی۔ اور فوراً وہ ایسے

موقع پر کونے میں چلی جاتیں اور دعائیں مشغول ہو جاتیں اس میں بھی غیر اختیاری طور پر ایک سنت کی پیروی تھی، عمر جتنی بڑھتی جاتی تھی اور دنیا کے حالات و واقعات سننے میں آتے تھے، ان کو اپنے اس وقت تک زندہ رہنے، اور ان حالات کے دیکھنے پر سخت رنج اور فکر رہتی تھی لیکن مرضی الٰہی پر صابر و شاکر رہتی تھیں اکثر ٹھنڈی سانسیں لے کر فرماتی تھیں کہ یہ معلوم نہ تھا کہ میں ان حالات کے دیکھنے کے لئے زندہ رہوں گی۔ معلوم نہیں اللہ کو اور کیا منظور ہے اور کیا کیا دیکھنا باقی ہے، قرب قیامت کے فتنوں سے ساری عمر ڈرتی رہیں۔ ابتدائے عمر میں علامات قیامت اور آثار محشر کے متعلق جو کچھ سنا اور پڑھا تھا وہ دل پر نقش تھا۔ اور ایک ایک حرف پر یقین، ان فتنوں سے اپنی اور اپنی اولاد کی حفاظت کی ہر وقت فکر رہتی تھی۔ اور اس کے لئے دعائیں کرتی تھیں۔ جمعہ کے دن بہت پابندی سے سورہ کہف کے پڑھنے کا معمول تھا۔ جس کے پڑھنے کی حدیثوں میں بہت فضیلت آئی ہے اور اس کو فتنۂ دجال سے حفاظت کے لئے تریاق بتایا گیا ہے مجھ سے بھی اس کی بڑی تاکید کرتی تھیں۔ اور وقتاً فوقتاً پوچھتی رہتی تھیں۔ کہ پڑھتے ہو کہ نہیں ہے؟

محبوب ترین مشغلہ

اس زمانہ میں ان کا سب سے بڑا مشغلہ اور ان کا محبوب معمول قرآن مجید کے ان رکوعوں آیات، اسماء حسنیٰ اور درود شریف کے ان خاص صیغوں کو پڑھ کر جن کے خاص فضائل اور برکات کتابوں میں یا ان کے تجربے میں آئے تھے اپنے سب چھوٹوں اور گھر والوں پر دم کرنا تھا، پڑھنے میں تقریباً ان کو پون گھنٹہ، گھنٹہ لگ جاتا تھا پھر دم کرنے کا ایک طویل سلسلہ رہتا تھا اخیر میں وہ بہت ضعیف و نحیف ہو گئی تھیں۔ لیکن معمولات کے پورا کرنے اور اوراد کے پڑھنے میں خدا جانے کہاں سے طاقت آجاتی تھی، کہ وہ قوی اور تندرست معلوم ہوتی تھیں۔ چند دن کی بات ہے کہ میں اور میرے بھانجے بھتیجے بیٹھے ہوئے تھے اور وہ پڑھ رہی تھیں، ہم لوگوں نے کہا کہ یہ قوت معلوم نہیں کہاں سے آرہی ہے؟ یہ محض روحانیت ہے، دم کیا ہوا پانی بھی ہمیشہ رکھا رہتا تھا اور نزدیک و دور کے مریض اور اہل حاجت آ آکر برابر لے جاتے تھے اور اس کے نفع اور خدا کی دی ہوئی صحت و برکت کا ذکر کرتے تھے، ہر مرتبہ جب کسی بیماری کا حملہ ہوتا تو ہم لوگ سمجھتے تھے کہ یہ چراغ سحری اب بجھا۔ جسم میں مقابلہ کی کوئی طاقت باقی نہ رہی تھی، صرف ایک یقین، ذوق اور اللہ کے نام کی برکت تھی کہ وہ اپنے معمولات اور اذکار بہت پابندی سے پورا کرتی تھیں جو دن گذر رہا تھا ہم اس کو غنیمت سمجھتے تھے

میرا یہ حال تھا کہ میں کبھی ان کی عمر کا حساب نہیں کرتا تھا اور نہ کسی کو کرنے دیتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا یہ سایہ اور ماں کے پاؤں تلے کی یہ جنت[1] ہمارے گھر میں جتنے دن رہے اللہ کی عنایت اور مہربانی ہے

میرا سفر بھوپال اور والدہ کا ایثار

بالآخر جس کا ڈر تھا اور جو ناگزیر ہے، وہ گھڑی پیش آگئی، ۲۳ اگست ۱۹۶۸ء کو جب وہ بیماری کے ایک ہلکے حملے سے سنبھلیں تو میں نے عرض کیا کہ دہلی اور بھوپال کے ایک سفر کی ضرورت ہے لیکن سب سے مقدم آپ کی خوشی اور رضامندی ہے میں نے معذرت کا خط بھی دہلی لکھ دیا تھا لیکن ان کی طبیعت میں افاقہ دیکھ کر ذکر کرنا مناسب سمجھا۔ یہ ان کے لئے سب سے بڑا مجاہدہ تھا۔ لیکن انھوں نے اپنے کو سنبھال کر جواب دیا۔ کہ اللہ نے تم کو جس کام کے لئے پیدا کیا ہے اس کے لئے جاؤ۔ مگر کب تک آجاؤ گے؟ میں نے کہا کہ اگلے جمعہ کو ضرور، ورنہ سنیچر میں تو فرق نہیں ہوگا (یہی روز ہے جس دن ان کی وفات ہوئی) فرمایا اچھا جاؤ۔ چلتے وقت مجھے معمول کے مطابق رخصت کیا اور الفاظ قرآنی اور ادعیہ ماثورہ پڑھیں۔

مرض الموت اور ایک مبارک خواب

۲۸ اگست کی صبح کو عزیزی محمد ثانی کا تار بھوپال میں ملا کہ "نانی صاحبہ کی طبیعت اچھی نہیں، آپ جلد واپس آجائیے" جس پریشانی کے عالم میں وہاں سے واپسی ہوئی، خدا وہ پریشانی پھر نہ دکھائے۔ سب سے بڑی تمنا یہ تھی کہ میں انکی زندگی میں پہونچ جاؤں۔ بھائی صاحب کی تدفین تک میں نہ شریک ہونے کا داغ عمر بھر رہے گا۔ موت برحق ہے کسی نہ کسی دن یہ واقعہ پیش آنے والا ہے اس کو ٹالا نہیں جا سکتا، اللہ نے فضل فرمایا کہ میں پنجشنبہ ۲۹ اگست کی صبح کو رائے بریلی پہونچا، معلوم ہوا کہ میری روانگی کے ایک روز بعد ہی رات کو جب تہجد کے لئے اٹھیں اور پیشاب کے لئے چوکی پر بٹھایا گیا تو اندھیرے اور نیند میں اندازہ نہیں ہوا ہاتھ چھوڑ دیا گیا اور گر پڑیں شانہ اور کلائی کی ہڈی پر ضرب آئی۔ تار سے ان کو میری روانگی کی اطلاع ہو چکی تھی اور اس سے ان کو بڑی خوشی ہوئی تھی، میں جب پہونچا تو فرمایا کہ آدھی قوت آگئی، سلام کیا۔ قریب بلایا اور فرمایا کہ میں نے ایک خواب دیکھا ہے کہ "میرے جسم کے روئیں روئیں سے اللہ کی حمد و ثنا نکل رہی ہے اور عجب سرور و ذوق ہے" میں نے کہا کہ یہ خواب تعبیر کا محتاج نہیں۔ بہت مبارک ہے۔

---

[1] حدیث میں آتا ہے "الجنۃ تحت اقدام الامہات"

جمعہ بھی کسی قدر غنیمت گذرا۔ لیکن بڑی کی تکلیف زیادہ تھی۔

سفرِ آخرت

سنیچر کی رات بے چینی سے گذری۔ ظہر کی نماز ہوش و حواس کے ساتھ پڑھی اور انگلی پر ذکر شروع کر دیا۔ اس کے بعد ہی سفرِ آخرت کی منزل شروع ہو گئی اپنی تین مرحومہ بہنوں کا نام لے کر کہا کہ وہ لکھنؤ آ گئیں، اس کے بعد ہی نزع کی کیفیت شروع ہو گئی سانس سے اسمِ ذات اللہ، اللہ، کی آواز آنے لگی، جب یہ آواز موقوف ہوئی تو معلوم ہوا کہ وہ ہم سب لوگوں کو چھوڑ کر اپنے اس خالق و مالک کے پاس پہونچ گئیں جس کا ساری عمر نام لیتی رہیں۔ اور اس کے در رحمت پر ہمیشہ دستک دیتی رہیں۔

یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی	اے وہ جی جس نے چین پکڑ لیا پھر چل اپنے رب کی طرف تو اس
الی ربک راضیۃ مرضیۃ فادخلی	سے راضی وہ تجھ سے راضی پھر شامل ہو میرے بندوں
فی عبادی وادخلی جنتی	میں اور داخل ہو میری بہشت میں

اگلے روز اتوار، ۸ جمادی الآخرۃ ۱۳۸۸ھ یکم ستمبر ۱۹۶۸ء کو صلحا، علماء، طلباء اور تبلیغی جماعت کے افراد کے ایک بڑے مجمع نے نمازِ جنازہ پڑھی اور والد ماجد مولانا حکیم سید عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ کے پہلو اور شیخ المشائخ حضرت شاہ علم اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی زوجہ محترمہ کے پائنتی ہمیشہ کے لئے آسودۂ خاک ہو گئیں پورے ۴۷ سال کی مفارقت کے بعد اپنے باکمال شوہر اور رفیقِ زندگی سے جا ملیں یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ ٹھیک اسی مہینے جمادی الآخرۃ (۱۳۴۱ھ) میں والد ماجد نے انتقال کیا تھا ملک اور بیرونِ ملک سے تعزیت کے جو خطوط آ رہے ہیں۔ ان سے دعائے مغفرت اور بہت وسیع پیمانے پر ایصالِ ثواب کی اطلاعیں مل رہی ہیں نیز بندگانِ دین، مشائخِ وقت اور خدا کے مقبول بندوں کے تعزیت ناموں سے اللہ کی رحمت اور ان کی مقبولیت کی امیدیں پیدا ہوتی ہیں جو بیبیاں اور جو مرد اس مضمون کو پڑھیں ان سے بھی درخواست ہے کہ ان کے لئے دعائے مغفرت اور ایصالِ ثواب سے دریغ نہ فرمائیں کہ دنیا سے جانے والے کو سب سے زیادہ اسی کی ضرورت اور اسی سے خوشی ہوتی ہے اور ہر چھوٹا بڑا اس کا محتاج ہے۔

باب دوم

آمّا بی	محمد الحسنی
سراپا شفقت	مولانا سید ابوبکر حسنی
ایثار و قربانی	امۃ اللہ العزیز
مجربات قرآنیہ	سید محمد سالم تھہوی
عادات و معمولات	امۃ اللہ تسنیم
زندگی کے آخری ایام	محمد ثانی حسنی

امّاں بی

محمد الحسنی مدیر "البعث الاسلامی"

اماں بی ہمارے پورے خاندان کے لئے خیر و برکت، سکون و طمانیت اور نورانیت و للہیت کا سرچشمہ تھیں اور ان کے جانے کے بعد خاندان کے ہر فرد نے صدق دل سے یہ محسوس کیا کہ ایک بہت بڑی نعمت اس کے ہاتھ سے چھن گئی ہے۔ راقم السطور کی خوش نصیبی تھی کہ ان کی زندگی کے آخری ایام میں اس کو حاضری کی سعادت حاصل ہوئی، الٰہے باخدا، پاکباز اور خوش نصیب بندوں اور بندیوں کی زندگی کا ہر لمحہ بیش قیمت اور ہر ساعت بابرکت ہے لیکن اپنی زندگی کے آخری لمحات میں جب وہ اپنے خدا کے حضور میں انعام لینے کے لئے جانے لگتے ہیں اس وقت ان کی شان ہی اور ہوتی ہے، رحمتِ خداوندی کا بکثرت نزول ہوتا ہے بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ رحمتِ الٰہی جوش مارتی ہے، اماں بی کی زندگی کی وہ آخری ساعتیں بھی کچھ اسی قسم کی تھیں۔ اُس وقت کی برکت اور نورانیت اور سکینت و طمانیت ہم جیسے کثیف دلوں کو بھی محسوس ہوتی تھی۔

راقم سطور کے جدِ امجد مولانا حکیم سید عبدالحئی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد ماجد مولانا حکیم سید فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کا حال بیان کرتے ہوئے ایک جگہ لکھا ہے کہ "ان کے انتقال کے وقت کیف و سرور اور سکینت کی ایک چادر پورے ماحول پر محیط معلوم ہوتی تھی، جس رات کو انتقال ہوا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ رات شب قدر ہے، ہم لوگوں پر حزن و ملال کا مطلق اثر نہ تھا، ذکر الٰہی بلند اور صاف آواز سے جاری تھا جس کو سب سن رہے تھے:

اماں بی کا حال اس سے ملتا جلتا تھا، ان کے انتقال کے وقت وہ وحشت و گھبراہٹ اور حزن و ملال

نہ تھا۔ جو عام طور پر ایسے موقعوں پر ہوتا ہے، ذکر سانس کے ساتھ مسلسل اور صاف آواز سے جاری تھا اور اسی حالت میں جان جان آفریں کے سپرد کی اور راحت ابدی حاصل کی۔ "یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی"۔

اماں بی کی زندگی میں ہمارے لئے بڑے سبق ہیں۔ اور ان کا ہر پہلو قابل توجہ ہے لیکن اس کے تین عنوانات بہت جلی ہیں۔ ایک دعا و مناجات کی وہ عجیب کیفیت جس میں وہ بہت ممتاز، فائق بلکہ منفرد نظر آتی ہیں۔ اور دوسرے دین کی قوت و ترقی اسلام کے غلبہ کی سچی تڑپ اور حرارت و سوزش، تیسرے تربیت اور حسن معاشرت ہم ذیل میں ان کے اشعار و مناجات کے چند نمونے پیش کرتے ہیں جو ان کی دلی کیفیات اور مختلف پہلوؤں کے ترجمان ہیں۔ اس کے بعد ان کے حسن تربیت اور حسن نظر کے چند نمونے خود ان کے کلام کی وساطت سے پیش کرنے کی کوشش کریں گے۔ "وما توفیقی الا باللہ"

دنیا کی بے ثباتی، دنیا کی حقارت، دنیا سے بے تعلقی اور اس کو کمتر، حقیر اور ذلیل سمجھنا ان کا ایسا حال تھا جس میں تصنع کو مطلق دخل نہ تھا۔ لیکن اسی کے ساتھ دنیا میں رہنے اور سلیقے کے ساتھ زندگی گذارنے کی انھوں نے جو وضع اور نظیر قائم کی وہ اپنی جگہ خود نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے ایک طرف عالم قدس سے وہ تعلق دعا و مناجات سے ایسی والہانہ وابستگی اور دنیا کی وہ حقارت کہ اگر آدمی ان کے صرف ایک پہلو کو دیکھے تو کہے کہ ایسا آدمی دنیا سے بالکل کنارہ کش اور دنیا سے ناواقف ہوگا اور اس کو حقوق العباد ادا کرنا بھی مشکل ہو جاتا ہوگا۔ اور دوسری طرف دنیا برتنے کا وہ سلیقہ اور دنیاوی معاملات میں ایسی دقیقہ رسی۔ تربیت و معاشرت کے شعبہ میں ایسی باریک بینی اور ذہانت اور امور خانہ داری میں ایسی مہارت[1] اگر کوئی صرف اس پہلو کو دیکھے تو یہ کہے کہ ایسا آدمی دعا و مناجات اور عبادت و تلاوت کے لئے وقت دماغ اور دل کہاں سے لاتا ہوگا۔

اماں بی میں یہ دونوں باتیں اس حسن و خوبصورتی کے ساتھ جمع تھیں کہ اس کو قرآن مجید کی اس آیت: مرج البحرین یلتقیان بینھما برزخ لا یبغیان[2] کے سوا اور کسی چیز سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔

---

[1] اس کی شہادت کے لئے دین کی دو کتابیں حسن معاشرت اور "ذائقہ" بالکل کافی ہیں "ذائقہ" انھوں نے کھانے کے انواع و اقسام پر لکھی ہے۔

[2] دونوں سمندر ایک دوسرے سے بالکل ملے ہوئے ہیں لیکن ان کے درمیان ایک ایسا برزخ ہے جو ایک کو دوسرے میں داخل ہونے سے باز رکھتا ہے۔ یہ آیت اس کھاری اور شیریں پانی کے متعلق ہے جو ایک ہی چشمہ کے اندر نظر آتا ہے ایک طرف شیریں پانی ہوتا ہے ایک طرف کھاری لیکن حالانکہ بیچ میں کوئی روک نہیں ہوتی۔

دنیا سے خطاب کرتے ہوئے کس سادگی اور سچائی کے ساتھ کہتی ہیں ؎

گھبرا نہ ہم سے دنیا تجھ میں نہ ہم رہیں گے — اپنا وطن عدم ہے جا کر وہیں بسیں گے
شیوا ترا دغا ہے شیوہ ترا جفا ہے — تو سخت بے وفا ہے ہم صاف ہی کہیں گے
ہاں تو ستا لے ہم کو جتنا ستانا چاہے — کیا ہوگا جب خدا سے فریاد ہم کریں گے
تیری یہ بے وفائی تیری یہ کج ادائی — تیری ستم ظریفی کب تک یہ ہم سہیں گے
آتا ہے جو یہاں وہ رہتا ہے تجھ سے نالاں — اک روز ہم بھی تجھ سے منہ پھیر کر چلیں گے
کر کچھ تو اب بھلائی مہماں ہیں ہم ہیں تیرے — جب ہوں گے تجھ سے رخصت پھر ہم نہیں ملیں گے
تو ہم سے گر خفا ہو پروا نہیں ہے ہم کو — مالک ہو ہم سے راضی جس کے یہاں رہیں گے
بھیجا تھا اس نے ہم کو تیرے یہاں یہ کہہ کر — جب ظلم ہوگا تجھ پر انصاف ہم کریں گے

انصاف کیا ہو ابتر یہ ظلم کی ہے بانی
جو کچھ ستم کرے گی سب کچھ وہ ہم سہیں گے

دنیا کی بے ثباتی پر ان کی ایک اور طویل نظم ہے جس کا ردیف و قافیہ ہے "جو آج ہے وہ کل نہیں"۔ اس کے چند اشعار پیش خدمت ہیں ؎

اے مومنو! ہوشیار ہو جو آج ہے وہ کل نہیں — سوتے ہو کیوں بیدار ہو جو آج ہے وہ کل نہیں
کرنا ہے جو کر لو ابھی کیا زندگی کا آسرا — کیوں رکھتے سر پہ بار ہو جو آج ہے وہ کل نہیں
دنیا پہ تم نازاں نہ ہو ہیں چار دن کے یہ مزے — تم اس سے بس بیزار ہو جو آج ہے وہ کل نہیں
ہو عیش یا آرام ہو جو کچھ بھی ہو سب ہے فنا — مفلس ہو یا زردار ہو جو آج ہے وہ کل نہیں
جو کچھ کہ دیکھا ہم نے یاں وہ خواب تھا بھولا ہوا — کیوں دل نہ اس سے زار ہو جو آج ہے وہ کل نہیں

ان کو اپنے خدا پر ناز و اعتماد اس درجہ تھا کہ اس کو دیکھ کر وہ حدیث یاد آجاتی ہے جس میں کہا گیا ہے

رب اشعث اغبر لو اقسم علی اللہ لابرہ

بعض ایسے پریشان حال اور گرد و غبار میں اٹے ہوئے لوگ بھی ہیں کہ اگر وہ اللہ کی قسم کھا لیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کی لاج رکھے۔

دیکھئے کس درد و تڑپ، کس بھروسہ اور اعتماد اور کس یقین اور محبت کے ساتھ اپنے مالک سے گویا ہوتی ہیں ؎

جو مانگا ہے، جو مانگیں گے، خدا سے ہم، وہی لیں گے
مچل جائیں گے، روئیں گے، کہیں گے ہم یہی میں گے

نہیں گو ہم کسی قابل، مگر تیری عنایت ہے
جو تیری شان کے لائق ہے ہم تجھ سے وہی لیں گے

کیا تو نے طلب ہم کو اٹھیں گے ہم نہ اس در سے
نہ جائینگے نہ جائینگے، ابھی لیں گے، وہی لیں گے

ارے بہتر نہ تو گھبرا جو مانگے گی وہ پائے گی
کہے گی جب تو یہ رد کم کہ ہم اس دم یہی لیں گے

ان کا کہنا یہ تھا کہ دعا کی توفیق ملنے کا مطلب ہی یہی ہے کہ اللہ تعالےٰ یہ چاہتا ہے کہ اس کا بندہ اس سے خوب جی بھر کے اور دل کھول کر مانگے، اس لئے ایسے موقعہ پر کسی کوتاہی، بے نیازی استغناء اور مایوسی، یا بے دلی اور کم ہمتی کا مظاہرہ نہ کرنا چاہیے۔ دعا کی توفیق تو درپردہ اس بات کا اشارہ ہے کہ ہم دینا تو چاہتے ہی ہیں، تم مانگنا تو سیکھو۔

ایک مناجات اس طرح شروع کرتی ہیں ؎

ہوئی جو در تک ترے رسائی، تو تجھ سے میرا سوال بھی ہے
تو دینے والا کریم بھی ہے، تو قادر ذوالجلال بھی ہے

یہ شان دیکھی تری نرالی جو مانگے تجھ سے تو اس سے راضی
بُلا کے دینا کرم ہے تیرا، یہ فضل بھی ہے کمال بھی ہے

آخر میں کہتی ہیں ؎

نہیں ہے بہتر کو اب گوارہ کہ دل ہو یاں رہ کے پارہ پارہ
ملے وہ گھر جس میں لطف بھی ہے کرم بھی ہے اور وصال بھی ہے

لیکن ان کی یہ مناجاتیں صرف ان کے اپنے حالِ دل تک محدود نہ تھیں، شورش اعداء، غربت اسلام امراض اور وباؤں، خشک سالی اور قحط، طغیانی اور سیلاب، مالی پریشانیاں اور تکریمِ رمضان المبارک کا استقبال، بیت اللہ کی زیارت اور مدینہ طیبہ کی حاضری سب ان کے موضوعات میں شامل ہیں۔

مسلمانوں پر غیر مسلموں کے مظالم اور اسلام کے خلاف ان کی نئی نئی تحریکوں اور انگریزوں کی سازشوں

کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتی ہیں ؎

لگائی ہے جو آگ اس دم انھوں نے
اسی نار میں ناریوں کو جلا دے

ہم اسلام والے ہیں، ایمان والے
نہ تو ان کے ہاتھوں سے ہم کو سزا دے

بُرے یا بھلے ہیں مگر ہم ہیں تیرے
جو بھوں کام بگڑے ہمارے بنا دے

ہو اولٰی مسلمان میں بھی یہ قوت
پکڑ کر سر ان کا زمیں پر گرا دے

چلے کوئی جادو اب ان کا نہ ہم پر
جو سوتے بھی ہوں ہم تو ہم کو جگا دے

خشک سالی سے متاثر ہو کر ایک مناجات میں کہتی ہیں ؎

یا الٰہ العالمیں ہے تو ہی خیر الرازقیں!
تو ہی خیر الرازقیں ہے تو ہی خیر الراحمیں

جھوم کر اٹھے گھٹا یا رحمۃ للعالمیں
نام کو سبزہ نہیں سوکھی پڑی ہے سب زمیں

برسا دے یارب اس قدر سرسبز ہو ساری زمیں
مٹ جائیں سارے رنج و غم آباد ہوں اہلِ زمیں

بارش کی کثرت اور دریا کی طغیانی سے نجات کے لئے کس سادگی اور روانی کے ساتھ محو دعا ہیں

مینہ برستا ہوا تو اب تھام
اس میں ہوتا نہیں ہے ہم سے کام

بہہ رہا چار سو جو دریا ہے
ہیں پریشاں اس سے خاص و عام

آسماں پر گھٹا وہ چھائی ہے
صبح بھی ہوگئی ہے مثلِ شام

خوفِ طغیانی سے ہیں سب سہمے
کہتے ہیں دیکھئے ہو کیا انجام

ہو نگہ تیرے رحم کی مولیٰ
خوف جاتا رہے ہو بس آرام

تو ہی حافظ ہے تو ہی ناصر ہے
تجھ سے کہتی ہوں تیرا لے کر نام

تجھ سے بہتر کی بس یہی ہے دُعا
اپنے بندوں کو کر نہ تو ناکام

راقم سطور کی ولادت کے موقعہ پر بھی انھوں نے ایک نظم کہی تھی جس کا عنوان ہے:-

"کام ہو میرا ترے فضل و کرم کا نام ہو"

یہ نظم بڑی مختصر اور پر اثر ہے اور میں اس کو اپنے لئے سرمایۂ سعادت اور وسیلۂ نجات سمجھتا ہوں

۳۱۶۰
۰۹۲۹۹
جرنل

فضل سے تیرے ہوئی آسان یہ مشکل اڑی　　اور خوشی کی بے تعب تونے دکھائی یہ گھڑی
تو ہی کر آسان یارب ہیں یہ جتنی مشکلیں　　دور ہو جائیں یہ ساری زحمتیں اور کلفتیں
صدقہ احمد کا ئید ہو مرے گھر کا چراغ　　دیکھ کر اس کو الٰہی دل ہوں سب کے باغ باغ
اور پیدا کر محمد میں الٰہی وہ کمال　　اور محمد ہو الٰہی جد امجد کی مثال
خوش ہوں اس کو دیکھ کر سب اور اسکے والدین　　بس وہ ہو آنکھوں کی ٹھنڈک اور ہو سے دل کا چین

نظم ہو مقبول میری اور خوش انجام ہو
کام ہو میرا ترے فضل و کرم کا نام ہو

بیت اللہ شریف کی حاضری کس طرح مزہ لے لے کر بیان کرتی ہیں۔ اور اس کو اپنی اسی دعا و مناجات کا ثمرہ سمجھتی ہیں۔ جو ان کی روح اور دل کی غذا اور دوا تھی۔

کہاں ملتی ہے یہ دولت و عزت　　ہوئی دربار میں کس کی رسائی
رہی دربار میں حاضر جو ہر دم　　یہ نعمت اور دولت ہاتھ آئی
کیا جو زندگی کو تلخ تونے　　ضعیفی میں یہ راحت تونے پائی
نتیجہ ہے فقط تیری دعا کا　　بڑھاپے میں تجھے پہونچی بھلائی

لگائی تھی جو تونے آس بہتر
جو کی امید تونے وہ بر آئی

مدینہ طیبہ کی بہاروں کا ذکر کرتے ہوئے اپنی جدائی اور رخصتی کی تصویر اس طرح کھینچتی ہیں۔ ایک طویل نظم کے چند اشعار ؎

یہ سماں، یہ لطف، یہ دولت کہاں ہوگی نصیب　　اور زیارت گنبد خضرا کہاں ہوگی نصیب
دل کو راحت آنکھ کو ٹھنڈک کہاں ہوگی نصیب　　یہ مبارک صحبتیں ہم کو کہاں ہوں گی نصیب
جائیں ہم کیونکر مدینہ کی فضائیں چھوڑ کر　　یہ بہاریں اور یہ دلکش ادائیں چھوڑ کر

دیار مقدس سے رخصتی کے وقت یوں گویا ہوتی ہیں ؎

اے خدا پھر اسی دربار میں لانا مجھ کو　　اپنے دربار کا سائل ہی بنانا مجھ کو
پھر ترے خانۂ کعبہ کا کروں آ کے طواف　　پھر مزے لطف و محبت کے چکھانا مجھ کو

روضۂ پاک پہ ہر دم میں کروں جا کے سلام　　اور طے ارض مقدس میں ٹھکانا مجھ کو
زندگی میری خدایا ترے در پر گذرے　　ساتھ ایمان کے دنیا سے اٹھانا مجھ کو
ہند میں رہ کے خدایا نہیں راحت مجھکو　　اب تو طیبہ ہی میں مل جائے ٹھکانا مجھ کو

قلب ہے میرا ضعیف اور سفر ہے مشکل
تو اگر چاہے تو مشکل نہیں آنا مجھکو

عم مخدوم و معظم مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مدظلہ کے لئے ان کی دعا کا کیا حال تھا اس کے لئے صرف اتنا ہی سمجھ لینا کافی ہے کہ ان کی ساری زندگی دعا تھی اور ان کی ساری دعا چچا میاں کے لئے تھی' وہ جس وقت بھی دعا کرتیں اور جس کے لئے بھی دعا کرتیں وہ دراصل ان ہی کے لئے ہوتی اور ان کی کتابیں "باب رحمت" اور "کلید باب رحمت" کا ہر صفحہ اس کا گواہ ہے۔

اماں بی کو اللہ تعالیٰ نے ایمان و یقین، ذوق و شوق اور تعلق مع اللہ کی اس دولت کے ساتھ جو خاصان خدا اور مقبولان بارگاہ کا حصہ ہے۔ تربیت کا جو ملکہ عطا فرمایا تھا اس کی تفصیل گذشتہ مضامین میں گزر چکی ہے یہاں صرف ان کی مقبول کتاب "حسن معاشرت"[1] کے چند اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی نظر اجتماعی زندگی کے کیسے کیسے گوشوں تک پہونچی تھی اور معاشرت کے وہ لطیف و نازک پہلو بھی جن کی طرف اکثر لوگوں کی توجہ بھی نہیں ہوتی، ان کی دقیقہ رس نظر سے فراموش نہ ہوتے تھے۔

یہ کتاب نہ صرف اپنے مضامین بلکہ اپنی زبان و بیان میں بھی سادگی و پرکاری کا اعلیٰ نمونہ ہے اور حیرت ہوتی ہے کہ ایک گوشہ نشین اور یاد الٰہی میں عمر گزار دینے والی خاتون جب قلم اٹھاتی ہے تو اس طرح نقش قائم کرتی ہے اور اجتماع و علم النفس کی حقیقتوں اور معاشرے کی تصویروں کو سادہ اور رواں جملوں میں اس طرح پیش کر دیتی ہے کہ وہ زندہ اور متحرک معلوم ہونے لگتی ہیں۔

یہ کتاب انھوں نے خاص طور پر مسلمان بچیوں کے لئے لکھی ہے لیکن اس کا مطالعہ ہر تعلیم یافتہ مرد کیلئے بھی مفید ہے کتاب کے مقدمہ میں ایک جگہ لکھتی ہیں:-

---

[1] اس کتاب کے گیارہ ایڈیشن اب تک نکل چکے ہیں۔

"تمہیں اگر یہ خیال ہے کہ تمہیں سب کچھ آتا ہے اور موقعہ پر سب کچھ کر سکتی ہیں تو یہ غلط ہے اگرچہ تم نے کبھی کبھار اپنے کپڑے سی ڈالے یا کسی کپڑے کی کتر بیونت کر لی، یا کبھی ایک ہانڈی تیار کر لی، یا کسی کرتا ٹوپی میں ایک بوٹا بنا دیا۔ کلام مجید پڑھ کر صرف دو چار کتابیں لے بھاگیں کہ اس کے مسئلہ مسائل اور ان کتابوں کے سبب تالیف سے بھی واقف نہ ہو۔ تمہیں یہ قابلیت بھی کوئی قابلیت ہے اگر کوئی کچھ پوچھ بیٹھے تو دیکھتی رہ جاؤ۔ تمہیں لازم ہے کہ جس کام کی طرف جھکو چاہے وہ کتنا ہی دشوار ہو بہ آسانی کر کے رکھ دو۔"

موجودہ زمانہ میں لڑکیوں کا جو حال ہے وہ ان کے نزدیک والدین کے بدلے ہوئے رویہ کا نتیجہ ہے لکھتی ہیں:-

"اب خود والدین اپنی اولاد کے تابعدار و نازبردار ہیں....؛ ان کی ہر خواہش پوری کرینگے انھیں ہر طرح کا اختیار دیں گے۔ ان کی خوشی کو اپنی خواہش پر مقدم رکھیں گے ان کی دل شکنی منظور نہ کریں گے بُری بھلی باتیں نہ سمجھائیں۔۔ ان کے عیب و ہنر پر نظر نہ کریں گے۔ انھیں آزاد رکھیں گے پھر وہ کیونکر ان کے قبضہ میں آسکتی ہیں۔ لامحالہ ان کی یہی حالت ہوگی جو اس وقت دیکھنے میں آ رہی ہے۔ عام طور سے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اب لڑکیاں نہایت آزاد اور بے خوف ہو رہی ہیں۔ جو چاہتی ہیں کر گذرتی ہیں نہ والدین کا ڈر نہ خدا کا خوف نہ دنیا کی شرم نہ عزت کا پاس نہ غیرت کا لحاظ.... نیک صحبتوں سے واقفیت نہیں تفریح کی شائق سیر و سیاحت پر قربان، ناولوں پر صدقہ، قصہ کہانی پر نثار، قرآن و حدیث سے بیزار اوامر سے غافل، نواہی پر مائل، دروغ گو۔ عیب جو، دوستوں کی دشمن، دشمنوں کی دوست، تیز مزاج متلون۔ جس کی جو وضع دیکھی پسند کر لی۔ جو راہ چاہی اختیار کر لی...."

سسرال میں ضرورت سے زائد شرم کرنے پر لکھتی ہیں:-

"محض دولھن نہ بنی رہو، محل شرم و حیا دیکھ کر شرم کرو۔ زیادہ کوئی چیز اچھی نہیں ہوتی، بڑوں کے سامنے ادب سے سلام کر کے بیٹھ جانا اور پردہ والوں سے پردہ کرنا کافی ہے

زیادتی شرم سے کام خراب ہو جاتا ہے۔"

شوہر کے ساتھ برتاؤ کے سلسلہ میں ایک جگہ بڑی حکمت کی بات لکھتی ہیں:-

"جب مرد گھر میں آئیں، آتے ہی کوئی تردد والی بات نہ ہو، معلوم نہیں کس خیال میں آئے ہوں اور کیا خیال پیدا ہو جائے۔ کھانے کے وقت ایسی دلچسپی کی باتیں کرو کہ وہ خوش ہو کر کھائیں، بے فکری میں دال مثل قورمہ کے معلوم ہوتی ہے، فکر و تردد میں ہزار نعمت زقوم ہو جاتی ہے۔ اس کا تجربہ ہو چکا ہے بعض بی بیاں آتے ہی تمام قصے کہہ سناتی ہیں۔ اٹھنا، بیٹھنا، کھانا پینا دشوار ہو جاتا ہے آخر وہ بھوکے اٹھ جاتے ہیں۔ خدا بھی ناخوش ہوتا ہے اور وہ بھی، ایسی عقل سے خدا بچائے۔"

تربیت اولاد کی اہمیت و ضرورت پر روشنی ڈالتے ہوئے ایک جگہ لکھتی ہیں:

"یہ کوئی دشوار بات نہیں، اولاد کی محبت سب کچھ سکھا دیتی ہے مگر عقل و سلیقہ شرط ہے جو بدسلیقہ ہیں ان کو اور ان کی اولاد کو زندگی وبال ہو جاتی ہے، پرورش پانے کو تو بچے پرورش پا جاتے ہیں۔ مگر حیوان ہی رہتے ہیں۔ نہ خاموشی کا سلیقہ نہ بات کرنے کا طریقہ، بات کے وقت خاموش رہے خاموشی کے وقت جو چاہا کہہ دیا۔ کھانے کا سلیقہ نہ پینے کی تمیز نہ پہننے اوڑھنے کا انداز۔"

بچوں کی تربیت کس طرح ہو اس کے چند قیمتی اصول لکھتی ہیں:-

"بُری صحبتوں سے دور رکھو۔ ہر وقت خیال رکھو کہ ان کی طبیعت کسی اور طرف مائل نہ ہو۔ ان کی ضد پوری نہ کرو۔ مانگنے سے پہلے ان کی خواہش پوری کر دو تاکہ ضد پیدا نہ ہو، ان کے ساتھ ایسا انداز رکھو کہ وہ تم سے بے خوف نہ ہوں، تمہارا اشارہ ان کو کافی ہو، بہت مارنے اور بار بار کہنے سے بچے بے حیا ہو جاتے ہیں بس اشارے سے کام لو، ہر وقت ٹیڑھی باتیں نہ کرو تھوڑی خطا پر سمجھا دو، غصہ میں کوئی لفظ بے جا نہ نکالو کہ پچھتانا پڑے، ان کی طرف سے کسی کو بُرا نہ کہو بلکہ انھیں کا قصور سمجھو، ان کا کہنا نہ مانو، مار کر منہ ہنسیں۔ ان سے بے تکلف ہو کے باتیں نہ کرو کہ وہ بے حجاب ہو جائیں، ان پر اپنی محبت کا اظہار نہ کرو، کسی بات میں ان کی بے جا طرفداری نہ ہو۔ سب بچوں کو

ایک نظر سے دیکھو، ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ دو۔ کہ ایک دوسرے کو ذلیل سمجھیں، بچوں کی ہر خواہش پوری کرنا بڑی غلطی ہے، یہ محبت نہیں بلکہ عداوت ہے۔"

ماماؤں کے ساتھ برتاؤ کے سلسلہ میں لکھتی ہیں۔

"ہر قصور پر لعنت ملامت نہ کرو، کچھ کچھ تم بھی مدد دیتی رہو، ضرورت کے وقت بے کار کام نہ لو۔ جب وقت پر کام نہ ہوگا تو بُرا کہو گی تو اُلٹے تمھیں وہ بھبتیاں لگائیں گی، پھر تمھاری کیا رہ جائے گی۔ اگر تمھیں منظور ہے کہ کام بھی ٹھیک وقت پر ہوتا رہے اور کوئی چیز ضائع نہ ہو تو نگرانی کے لئے موقع پر بیٹھ جاؤ مگر یہ ظاہر نہ ہو کہ تم اس غرض سے بیٹھی ہو، یہ کھانہ لیں۔"

کام کی عادت کے سلسلے میں لکھتی ہیں۔

"ہر کام کی عادت ڈالنا چاہیے کسی وقت بے کار نہ رہو، اکثر بے کار بیٹھنے والوں کو دیکھا ہے، سات بجے تک سوتے رہتے ہیں، اگر کوئی کرنے والا ہوا تو خیر ورنہ اکثر مرد خود کر لیتے ہیں۔ کس قدر شرم کی بات ہے کہ بی صاحبہ لیٹی یا بیٹھی ہیں اور مرد پریشان پھر رہے ہیں۔"

"چند پند" کے عنوان سے بڑی حکمت کی باتیں بیان کی ہیں۔ چند جواہر پارے پیش کئے جاتے ہیں جو محض لڑکیوں کے ساتھ مخصوص نہیں، سب مرد و عورت اس سے برابر کا فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

"دو شخص جب برابر ہوں اور تم کچھ دینا چاہو تو برابر دو، زیادہ کم دینے میں تم بے وقوف کہلاؤ گی اور کم حصہ والی کی سبکی ہوگی۔ دو شخصوں کے سامنے ان میں ایک کی تعریف نہ کرو، خاطر مدارات برابر کرو۔ کسی کی دل شکنی نہ کرو، غیروں سے بہت نہ ملو، نہ ان سے کچھ امید رکھو، اگر تمہارے خیال کے مطابق نہ ہوا تو ملال ہوگا ؎

"کہاں رہتی ہے وہ قیمت حباب جس میں بال آیا۔"

جس سے محبت کرو خدا کی خوشی کے لئے، جو بات کہو موقع پا کر کہو۔ اگر کھانے کا ذکر ہو تو تم کپڑوں کا تذکرہ نہ کرو۔ کہ مثل صادق آئے "مار دں گھٹنا پھوٹے آنکھ" ایک کی بات ختم ہو جائے، تو تم کہو۔"

کوئی شخص اگر تمہاری مروت و محبت یا کسی اور خیال سے تمہارا کچھ کام کر دے تو اس کام میں بُرائی نہ نکالو، ہر شخص کا احسان مانو۔

جس سے پردہ کرو اچھی طرح سے کرو۔ صورت تو چھپاؤ اور آواز سناؤ یہ طریقہ خوب نہیں، صورت کا آواز سے اندازہ ہو جاتا ہے۔ بری خصلتوں اور بُری اداؤں سے بچو، دانتوں سے ناخن کاٹنا، انگلیاں توڑنا، مجلس میں انگلیاں الجھانا۔ سر پٹینا، سر کھجانا سب کے سامنے جوئیں نکالنا۔ بات کرتے وقت ہاتھ ملنا، سر پھیرنا، گردن موڑنا وغیرہ یہ سب بیہودہ عادتوں میں شمار ہیں۔

سب کے ساتھ نیکی ٹھیک نہیں۔ کہ تم بے وقوف سمجھ کر لوٹ لی جاؤ، پھر منہ دیکھتی رہ جاؤ، بے جا نیک مزاجی، بے محل سخاوت مندی بے وقوفی میں شامل ہے۔"

آخر میں دعا اور معمولات کا بیان کرتے ہوئے آخری مشورہ دیتی ہیں۔

"تم دنیا کے سارے کام کرتی ہو اور دن بھر دنیا کے دھندے میں لگی رہتی ہو محنت کرتی ہو، تھکتی ہو اگر تھوڑا وقت اس کے لئے (دعا کے لئے) نکال لو تو تمہیں دنیا و آخرت کا فائدہ حاصل ہو جائے گا اور تم اللہ کے ذمے ہو جاؤ گی۔ انھیں دعاؤں کی برکت سے مجھے وہ وہ حاصل ہوا کہ میرا دل جانتا ہے میں اس منعم حقیقی کا شکر کس زبان سے ادا کروں ؎

میں کس قابل تھی اے لوگو! جہاں میں
مگر سب کچھ دیا اس نے بلا کے۔"

حسن معاشرت

مرتبہ: محترمہ خیر النساء صاحبہ بہتر

مسلمان لڑکیوں کو سبقاً سبقاً پڑھانے کی کتاب۔ میکہ سے سسرال تک کام آنے والے مسائل اور ہدایات کا ایک بہترین مجموعہ، بچوں کی بیماریاں، ان کا علاج، شب و روز کے معمولات پر مشتمل ایک مختصر لیکن کامیاب کتاب۔

قیمت ۵ پیسے علاوہ محصول ڈاک

کلید باب رحمت

مرتبہ: محترمہ خیر النساء صاحبہ بہتر

مناجاتوں اور سلاموں کا مجموعہ، جس کے پڑھنے سے دل درد سے بھر آتا ہے، اور بے اختیار آنسو آنے لگتے ہیں

قیمت حصہ اول ۳۸ پیسے حصہ دوم ۳۷ پیسے

ملنے کا پتہ: مکتبۂ اسلام۔ گوئن روڈ۔ لکھنؤ ۱

سراپا شفقت

مولانا سید ابوبکر حسنی

انّا بی جنھیں میں بچپن سے دیکھا کرتا تھا سراپا شفقت و رافت تھیں۔ ان کے مزاج میں ترش روئی نام کو نہ تھی۔ ہاں "الحب فی اللہ والبغض فی اللہ" کے مظاہر بدرجہ اتم موجود تھے ورنہ عموماً وہ سب پر شفقت فرماتی تھیں چہرے کی شگفتگی، زیرِ لب مسکراہٹ، خندہ پیشانی نرم آواز، ہر طرح کی دلجوئی دل بستگی، ہر کس و ناکس کے کام آنا۔ رنج و راحت میں شریک ہونا۔ یہ سب شفقت کے مظاہر اور محبت و رافت کے تقاضے ہیں۔ اگر یہ تقاضے عاقبت سنوارنے اور انجام بنانے کے لئے ہوں تو یہ خالصۃً للہ ہو جاتے ہیں۔ انّا بی کے اندر یہ سارے تقاضے اور مظاہر اسی لحاظ سے تھے ان کی نظر ہمیشہ انجام پر رہتی تھی اور اسی لئے غرباء پر، بیکسوں پر، یتیموں پر، مظلوموں پر خاص عنایت کی نظر رکھتی تھیں۔ کسی غریب کو دیکھا ترس آیا، پاس بٹھایا سارا حال سُنا، دلجوئی کی، صبر کی تلقین کی، ضرورت پڑی کھلایا، پلایا اور کبھی نقد کی مدد کی۔ بچہ رو دیا، کان کھڑے ہو گئے، لپکیں، اٹھایا۔ قابو میں نہ آیا اس کی ماں کو آواز دی، ڈانٹا ڈپٹا۔ اس کی بے توجہی پر سرزنش کی۔ اور اس کی گود میں بٹھا دیا۔

یتیم کی مرجھائی ہوئی صورت پر نظر پڑی، دل تڑپا، قریب بلایا، دل بہلایا، باتیں کیں اور خوش کیا، مظلوم کو روتے دیکھا، آنکھیں سرخ ہو گئیں، رگیں پھول گئیں، پوچھا پاچھا، حقیقت معلوم ہوئی زیادتی کرنے والے کو بلایا۔ اس کو شرم دلائی، اللہ کی وعیدیں یاد دلائیں، مکافات کا اقرار کرایا۔ اور رخصت کیا۔

مسافر آیا۔ خبر ہوئی۔ فوراً کھانے پینے لیٹنے سونے کا انتظام کرایا اور جب سارے انتظامات مکمل

ہوگئے تو اطمینان سے بیٹھیں۔

ان کی چونکہ شفقت عام تھی اس لئے ہر شخص کی بھلائی پیش نظر رہتی اور برابر یہ کوشش رہتی کہ اس کو ایسی باتیں بتانا چاہیے جن سے اس کی عاقبت درست ہو۔ وہ کسی کی بُری باتوں پر ہمت افزائی نہ کرتی تھیں بلکہ نہایت رنجیدہ اور کبیدہ خاطر ہوتیں۔ غلطی اور جرم پر سخت سست کہتیں اور نصیحتیں کرتیں۔ ہمیشہ کہا کرتیں کہ "انھیں کی بھلائی کے لئے ایسا کہتی ہوں میں نہیں چاہتی کہ کوئی انگلی اٹھائے — یا اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث ہو۔" بچیوں کو جمع کرتیں انھیں نماز کی تاکید کرتیں۔ کلام مجید کی تلاوت کا شوق دلاتیں۔ چند اہم سورتیں یاد کراتیں۔ ان کے فضائل بیان کرتیں۔ پھر جب کبھی لڑکیاں ملتیں تو ان سے دریافت کرتیں اور جب معلوم ہوتا کہ فلاں لڑکی نے اتنی سورتیں یاد کرلیں ہیں، بڑی خوش ہوتیں دعائیں دیتیں۔ اور مختلف قسم کے اوراد وظائف بتاتیں۔

رہنے سہنے، ملنے جلنے کے طریقے بتاتیں۔ اچھی صحبت کی تاکید کرتیں اور بُری صحبت کو منع کرتیں۔

اسی طرح جب کوئی خاندان کا لڑکا سامنے آجاتا، اس کو بھی اسی طرح کی نصیحتیں فرماتیں۔

باہر سے کوئی عزیز آتا تو بڑی شفقت سے پاس بٹھاتیں، خود پائینتی بیٹھتیں اور اس کو سرہانے بٹھاتیں خواہ وہ کتنا چھوٹا ہو، اگر وہ نہ مانتا تو سرہانے بیٹھ جاتیں مگر پیر کبھی نہ پھیلاتیں۔ خواہ ان کو کیسی تکلیف کیوں نہ ہو۔ پھر مزاج پرسی کرتیں اور تمام ان لوگوں کا حال دریافت کرتیں جن سے وہ مل کر آیا ہے۔ یا جن کے ساتھ وہ رہتا ہے۔

بیماری بابت سنکر فوراً دوا بتاتیں (وہ نصف طبیب تھیں) چٹکلوں میں علاج کرتیں، وقتاً فوقتاً مریض کا حال دریافت کرتیں۔ زمانہ گرمی کا ہو یا جاڑے کا یا موسم ہو برسات کا۔ ہر حال میں سب کی فکر رکھتیں۔ کسی کو گرمی لگ رہی ہے تو پنکھا دیتیں۔ جاڑا لگتا ہو تو اوڑھنے کا انتظام کرتیں۔ بارش ہوئی ہو تو کھلی جگہ جانے نہ دیتیں، کہیں اگر بجلی کڑک اور اندھیری شب ہے تو سفر نہ کرنے دیتیں، نہ بازار جانے دیتیں۔ ہر وقت خاندان کے بچوں کی فکر، کوئی ننگے پیر تو نہیں۔ سر پر ٹوپی ہے کہ نہیں چیخ کر بولتا تو نہیں، جھگڑے تو نہیں کرتا۔ کسی سے تو تو میں میں تو نہیں کرتا، زیادہ کھیلتا تو نہیں، ماں باپ کا کہنا مانتا ہے کہ نہیں۔ کسی بڑے سے گستاخی تو نہیں کرتا۔ غرض بچہ کی ہر حرکت پر نظر رہتی۔ اگر لڑکے بڑے ہیں یا لڑکیاں سیانی ہوگئیں ہیں تو ان کے ساتھ بھی یہی معاملہ کرتیں ان کی غلطیوں پر

ٹوکنا، سمجھانا بجھانا، بزرگوں کے واقعات سنانا، کتاب و سنت کی روشنی میں ان کو آداب گفتگو، آداب خورد و نوش، آداب نشست و برخاست بتانا۔ اور یہ سب نہایت نرم لہجہ میں یہی وجہ ہے کہ ان کی نصیحتیں دل کی گہرائیوں میں پیوست ہو جاتیں۔

ان کی شفقت کا اندازہ لگائیے عمر ۸۰ سے تجاوز کر چکی ہے انتہائی نقاہت اور کمزوری ہے، آئے دن کوئی نہ کوئی عارضہ بھی لگا رہتا ہے خود چل پھر بھی نہیں سکتیں، سوائے چند قدم کے اور وہ بھی اس طرح کہ چند قدم پر اتنا تکان ہو جائے کہ بغیر لیٹے مفر نہیں۔ میں دہلی سے وطن (تکیہ کلاں رائے بریلی) پہونچا، اسی دن میں اپنی قریبی عزیزہ والدہ محمد ثانی حسنی کے پاس گیا وہاں تھوڑی دیر بیٹھا تھا کہ دیکھا کہ وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھائے چلی آرہی ہیں۔ میں حیران اور شرمندہ میں نے عرض کیا "بچی پھوا، آپ کیوں یہاں تشریف لے آئیں میں تو خود ابھی آپ کے پاس حاضر ہوتا" فرمانے لگیں "تم نہ جانے کب آتے، مجھے معلوم ہوا کہ تم یہاں بیٹھے ہو تو میرا جی چاہا کہ میں ہی ہو آؤں۔ اس میں کیا حرج۔ چلنا پھرنا ہوتا نہیں، معذوری ہوگئی ہوں ورنہ فوراً آتی۔" اس شفقت کا کیا ٹھکانہ۔

ایک دن میری لڑکی (حفصہ سلمہا) سے کہنے لگیں "تم لکھنا نہیں جانتی ہو؟" کہا، الحمد للہ لکھ پڑھ لیتی ہوں فرمایا تو تم مجھے سلام کیوں نہیں لکھتیں۔ عرض کیا۔ میں تو برابر لکھتی ہوں، غالباً آپ تک کوئی میرا سلام پہونچاتا نہیں۔ فرمایا اچھا اچھا ٹھیک ہے — تم کو کچھ سورتیں یاد ہیں؟ دیکھو فلاں فلاں سورہ یاد کرو، ان کے یہ فوائد ہیں۔ ہمارے پاس آیا کرو ہم انشاء اللہ تمھیں بہت سی باتیں بتائیں گے۔

آخر عمر میں بینائی جاتی رہی تھی۔ مگر چند ہی نفوس ہوں گے جن کو اس کا علم تھا، کبھی اپنی زبان پر شکایت نہ لائی تھیں۔ اسی دوران میں ابا جی کے مکان کے بعض حصوں کی تعمیر جدید ہوئی۔ روزانہ دریافت کرتیں، اب کتنا کام ہوا اور کیا باقی ہے۔ اور ایک دن تو دلجوئی کی خاطر دوسروں کے سہارے اس گھر میں گئیں اور در و دیوار کو ہاتھ سے مس کرکے بڑی خوشی کا اظہار کیا اور اللہ کا شکر ادا کیا۔

انتقال کے وقت تقریباً ان کی ترانوے سال کی عمر ہوگی کمزوری حد سے زیادہ تجاوز کر چکی تھی مگر معمولات، اوراد وظائف میں کوئی کمی نہ آتی تھی اور شام کو عصر سے پہلے حسب معمول کلام مجید کے منتخب رکوع پڑھ کر نہ جانے کتنے اعزاء پر جن میں مرد، عورت، بچے، بوڑھے سب شامل ہوتے تھے، دم کرتی تھیں اور تکان کی کبھی شکایت نہ کرتی تھیں۔ اور دم بھی ایک بار نہیں، کئی کئی بار، دیکھنے والوں کو ترس آتا تھا

بعض وقت تو ان سے کہا جاتا تھا کہ ایک مرتبہ دم کر دیجئے مگر وہ کبھی نہ مانتیں اور جتنے بھی آدمی آتے ان پر دم کرتی جاتیں۔

اپنے بچپن کا ایک واقعہ یاد آگیا جس سے آپ کو معلوم ہوگا کہ ان کی شفقت کیسی تھی۔ اور کس قسم کی تھی۔

ان کے صاحبزادہ جو علی میاں کے نام سے مشہور رہیں۔ (واللہ تعالیٰ ان کو زندہ اور تندرست رکھے اور ان سے قوم کو برابر نفع پہونچتا رہے، آمین) بچے تھے نہ جانے انھوں نے کیا کیا کہ ایک خادمہ جو ان کے گھر میں کام کرتی تھی، منہ بنائے ہوئے آئی اور کہنے لگی کہ بی بی دیکھو علی میاں نے میرے بچے کو مارا۔ سننا تھا کہ تیور بدل گئے، بغیر مزید تحقیق کے اس کے بچہ کو بلایا اور کہا "مار علی کو" اس کا ہاتھ نہ اٹھا، ادھر اس کی ماں بڑی خفیف، اس کا مقصد نہیں تھا کہ علی میاں مارے جائیں، وہ صرف تادیب چاہتی تھی۔ علی میاں کہنے لگے "بی بی میں نے مارا نہیں ہے" "نہیں تم نے ضرور مارا ہوگا"، پھر اس کے لڑکے سے کہا "مار، مارتا کیوں نہیں تو ایسا ہی مار جیسا علی نے مارا ہے۔ جب وہ لڑکا آمادہ نہ ہوا تو اتابی نے کہا علی اچھا اس سے معافی مانگو، ہاتھ جوڑو، کہو آئندہ کبھی ایسا نہ کریں گے۔ علی میاں خاموش کھڑے ہیں۔ ہاتھ جوڑے ہوئے ہیں۔ معافی مانگ رہے ہیں۔ ادھر اس کی ماں شرم سے عرق عرق، اس کو کبھی ایسا تجربہ کب ہوا ہوگا۔ اور یہ سارا واقعہ سب اعزا دیکھ رہے ہیں جس میں یہ راقم الحروف بھی تھا۔

غریب کی ماں و بچہ پر شفقت کہ ان کا دل رکھا، اپنے بچہ پر شفقت کہ بے راہ روی سے بچایا۔ دونوں کے لئے سبق۔ ایسے نہ جانے کتنے واقعات ہوتے رہتے تھے اور ان کا یہی دستور رہتا کہ جس کی غلطی دیکھی تنبیہ کی خواہ اپنا بیٹا ہو یا بیٹی۔ قریبی عزیز ہو یا دور کا ہمیشہ حق کہنا۔ عدل و انصاف کرنا اور سب سے محبت و شفقت سے پیش آنا۔

شفقت کا ایک خاصہ یہ ہے کہ دوسروں کی غلطیوں پر بے جا غصہ کا اظہار نہ کرے، نرم خوئی سے پیش آئے چنانچہ ان کا حال یہ تھا کہ جہاں دوسرے فحش غلطی سے بپھر جائیں یا آگ بگولہ ہو جائیں۔ وہاں وہ سلامتی کی راہ نہ چھوڑتیں۔ اونچ نیچ سے آگاہ کرتیں۔ اللہ و رسول کا واسطہ دلاتیں۔ اور کام کی باتیں کرتیں۔ کہ سانپ مرے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔

ان کی شفقت کے آداب جب یاد آتے ہیں تو حیرت ہوتی ہے کہ اس دور میں بھی اللہ تعالےٰ نے کیسے کیسے آدمی پیدا کئے۔

ذرا آپ ملاحظہ فرمائیں۔ آخری ایام عمر کے ہیں پیاس معلوم ہو رہی ہے، خود چل نہیں سکتیں۔ مگر کسی سے اپنی ضرورت کہنے کو تیار نہیں۔ کوئی لڑکی سامنے پڑ گئی اور اس کی آہٹ ملی۔ تو پوچھا کون؟ کہا فلاں؛ اچھا..... کہا کوئی ضرورت کہا نہیں۔ کہا فرمایئے کہا وہ عائشہ) کو ذرا بلا دو۔ پانی تو نہ چاہیئے؟ اب تم کہاں تکلیف کرو گی۔ لڑکی لپکی اور پانی قریب میں تھا لا کر دیا۔ اب پانی پیتی جاتی ہیں اور دعائیں دیے چلی جا رہی ہیں۔ "بڑی تکلیف ہوئی، اللہ تمہیں خوش کرے، دیر سے پیاس لگ رہی تھی، تم نے بڑا کام کیا۔ خوش رہو، اللہ کی مرضی حاصل ہو۔

امۃ اللہ تسنیم صاحبہ نے ان کی جتنی خدمت کی وہ قابل صد رشک مگر وہ کچھ ایسی خوددار بھی تھیں کہ حتی الامکان کسی دوسرے کچھ کہتی بھی نہ تھیں۔ ایک موقع پر آرام کے وقت انھیں محسوس ہوا کہ کوئی پیر داب رہا ہے۔ پوچھا کون؟ امۃ اللہ تسنیم صاحبہ نے کہا "میں" دوسرا ہاتھ کس کا ہے؟ بولیں "رابعہ" کہنے لگیں۔ ارے تم کیوں داب رہی ہو اچھا بس کافی ہے۔ ایسا ورد نہیں۔ بس۔ بس۔ بڑی مشکل سے یہ سعادت تھوڑی دیر کو انھیں ملی۔

اگر ایسے واقعات قلمبند کئے جائیں۔ تو کتاب ہو جائے جو مطلوب نہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ شفقت کے ان میں وہ مظاہر دیکھے کہ جن سے اللہ کی یاد تازہ ہو جائے اللہ انھیں درجات عالیہ نصیب فرمائیے آمین

حادثۂ جانکاہ

پرچہ مرتب ہو چکا تھا بلکہ لکھا جا چکا تھا کہ مولانا حمید الدین صاحب شیخ الحدیث مدرسہ عالیہ کلکتہ کی موٹر حادثہ میں شہادت نیز مولانا اسعد (میاں) مدنی کے صاحبزادے محمد میاں کے انتقال کی خبر ملی اس حادثہ سے ادارہ رضوان کو بڑا صدمہ پہنچا اللہ تعالیٰ دونوں کو اپنی خاص رحمت میں لے اور مجروحین کو شفا عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل

اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

ایثار و قربانی اور صبر و رضا

امۃ العزیز

اللہ تعالیٰ نے میری والدہ ماجدہ کو صبر و عزیمت، تسلیم و رضا کے صفات و کمالات سے پوری طرح نوازا تھا۔ میرے نانا حضرت شاہ ضیاء النبی علیہ الرحمۃ نے اپنی ان بیٹی کی ایسی تربیت کی تھی کہ زندگی بھر انھوں نے ان کمالات کا مظاہرہ کیا اور کسی وقت بھی ان کے پایۂ ثبات کو لغزش نہیں ہوئی۔ ان کی زندگی میں ایسے واقعات متعدد بار پیش آئے کہ تسلیم و رضا میں فرق آسکتا تھا مگر خدا کی مدد سے انھوں نے فرق نہیں آنے دیا۔ میں اس مضمون میں صرف ایک ہی واقعہ کو پیش کرتی ہوں جس کا مجھ سے تعلق ہے جو اگرچہ ایک معمولی واقعہ ہے مگر اس میں عبرت و موعظت کے بڑے ...... سامان پوشیدہ ہیں۔ خصوصاً ان ماؤں کے لئے بڑا سبق ہے جو اپنی اولاد کی بے جا محبت میں گرفتار ہو کر ظاہری شان و شوکت کے پیش نظر ان کی شادیاں کر دیتی ہیں اور ان کی نظر عاقبت اور انجام پر نہیں ہوتی۔

میری عمر چودہ پندرہ سال کی تھی کہ میرے لئے کئی جگہ سے پیغام آئے جہاں جہاں سے پیغام آئے ان میں کئی بڑے خوش حال اور کھاتے پیتے گھرانے تھے اور جن سے گھر کے تعلقات بھی تھے۔ ظاہری عقل و دانائی کا تقاضا تھا کہ میرا رشتہ ان گھرانوں میں سے کسی گھرانے میں کر دیا جاتا لیکن میری والدہ نے اس طرف کوئی توجہ نہ کی اسی درمیان میں میری خالہ کے یہاں سے بھی پیغام آیا۔ میری خالہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ خالہ کے جس لڑکے کا پیغام میرے خالو نے دیا وہ پیدائشی طور پر طاقت گویائی اور قوت سماعت سے محروم تھے نہ وہ بالکل سن سکتے تھے نہ بول سکتے تھے۔ ہاں لکھنا پڑھنا جانتے تھے، یہی ایک بڑی

رکاوٹ تھی جو مرکز توجہ بنی ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ بھی کئی باتیں تھیں جو اتحاد و اتفاق میں رکاوٹ بنی تھیں لیکن میرے والدین نے (اللہ دونوں کی قبریں نور سے بھر دے) ان ظاہری موانع کا بالکل خیال نہیں کیا۔ بلکہ اس خیال سے کہ اگر ہم لوگ یہ رشتہ منظور نہیں کرتے تو اس معذور لڑکے کا رشتہ کہیں اور نہیں ہو سکتا۔ اور اگر ہوگا بھی تو بڑی دشواریوں کے ساتھ ہوگا اور شادی کے بعد یہ گھر نااتفاقیوں کا مرکز بن سکتا ہے انتہائی قربانی اور ایثار کا معاملہ کیا ان کے اس عمل سے میری خالہ کی روح کو جو تسکین پہونچی ہوگی اس کو خدا ہی جانتا ہے

آخر کار میری شادی میرے خالہ زاد بھائی سے کر دی گئی۔ اس کے اظہار میں کوئی باک نہیں کہ شادی کے بعد میرے خاوند کی ان معذوریوں سے مجھکو بڑی تکلیف اٹھانی پڑی۔ بلکہ بعض دفعہ سوہان روح کا باعث بنیں۔ لیکن تسلیم و رضا کی وہ متاع جو میری والدہ نے مجھکو دی تھی وہ چار و ناچار استعمال کرنی پڑی۔ سننے والوں نے بڑے استعجاب کا اظہار کیا میرے والدین سے اس کا شکوہ کیا کہ یہ تو تم نے اپنی لڑکی کی زندگی برباد کر دی۔ اصحاب وجاہت اور ظاہری کمالات رکھنے والوں کو چھوڑ کر ایک معذور کے ساتھ رشتہ کر دیا۔ لیکن میرے والدین کی فراستِ ایمانی کچھ اور دیکھ رہی تھی۔ غالباً ان کے ذہن میں ایک پرانا خواب رہا ہوگا۔ کہ میری خالہ نے اپنے بیٹے کی پیدائش سے پہلے یہ خواب دیکھا تھا کہ ایک چاند اترا اور ان کے منہ میں داخل ہوا۔ اور جسم کے اندر اتر گیا۔ میرے خالو مولوی سید خلیل الدین صاحب حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کے مرید تھے۔ انھوں نے حضرت مولانا کو خواب لکھا اور تعبیر پوچھی حضرت مولانا نے فرمایا تمہارے ایک لڑکا ہوگا جس کو خدا تعالیٰ علم لدنی عطا فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد ایک فرزند دیا اور میرے خالو نے اس کا نام اپنے شیخ کے نام پر رشید احمد رکھا اور پھر انھیں سے میرا رشتہ ہو گیا۔

میری شادی کے وقت والد صاحب کے احباب نے بڑی ملامت کی مگر میرے والد نے کوئی پرواہ نہ کی اور ایک پرچہ لکھکر ایجاب قبول کرا لیا۔ شادی کے بعد میری والدہ ماجدہ بڑی بے چین ہو گئیں یہ مشکل کام تو انھوں نے کر لیا مگر محبت مادری جوش میں آئی اور مستقبل پر نظر کر کے پریشان سی رہنے لگیں۔ اور پھر میرے لئے خدا کی جناب میں گڑگڑا گڑگڑا کر دعائیں مانگنے لگیں۔ میری طبیعت دو وجہ سے بہت آزردہ رہنے لگی (۱) کم عمری میں شادی (۲) رفیق حیات کی معذوری۔ والدہ ماجدہ میری آزردگی اور پژمردگی کو دیکھتیں تو اپنا دل کڑا کر کے مجھکو سمجھاتی رہتیں اور محبت و رافت سے تسلیم و رضا کا

سبق دیتیں۔ اور "ان مع العسر یسرا" ہر تنگی کے بعد آسانی ہوتی ہے عسیٰ ان تکرھوا شیئاً وھو خیر لکم
اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ جس کو تم برا سمجھتے ہو وہ تمہارے لئے بہتر ہوتا ہے" ان آیات کی روشنی میں تسکین دیتی
رہتیں۔ اور بعض دفعہ ملامت بھی کرتیں کہ دل مت چھوٹا کرو خدا انجام بہتر کرے گا۔

چونکہ میرے والد مولانا حکیم سید عبدالحی لکھنؤ میں مطب کرتے تھے اور وہیں مقیم تھے اس لئے
لازماً والدہ ماجدہ بھی لکھنؤ میں رہتی تھیں۔ وہ برابر خطوط کے ذریعہ نصیحتیں لکھتی رہتیں۔ اور اکثر آ آ کر
میرے پاس رہتیں کہ دلبستگی رہے نیز تحائف برابر بھیجتے رہتیں کہ میں اپنی نگاہ میں سبک نہ ہوں۔

شادی کے تین سال بعد خدا نے ایک فرزند دیا جس کی آمد کی خوشی دونوں گھروں میں بہت منائی گئی
والدہ ماجدہ نے شکرانہ کی نماز پڑھی اور خدا کی خوب تعریف کی اور اس بچہ کا نام محمود رکھا۔ افسوس ہے
کہ اس کا جوانی میں انتقال ہو گیا جس کی جدائی کا زخم اب تک باقی ہے۔

پھر خدا نے اور کئی فرزند دیے اور میرے خاوند نے سب کے نام محمد[1] پر رکھے" ان بچوں کی وجہ سے میری طبیعت
بہلنے لگی اور وہ اداسی دور ہو گئی جو شادی سے پیدا ہو گئی تھی اور والد ماجد کے انتقال کے بعد والدہ ماجدہ مستقلاً
اپنے ذاتی مکان میں رہنے لگیں جو میرے سسرالی مکان سے متصل تھا۔ والدہ کی قربت سے مجھکو انتہائی سکون
ملا اور اضمحلال بالکل ختم ہو گیا۔

میرے بچوں کی تعلیم کا انتظام میرے دونوں بھائیوں (ڈاکٹر سید عبدالعلی اور عزیزی ابوالحسن علی) نے
اپنے ہاتھ میں لیا اور اس خوبی سے انجام دیا کہ جس کی مثال نہیں ملتی۔ ان کو خالص دینی تعلیم دی۔ بہترین تربیت
کی اور اس محبت و شفقت کا معاملہ کیا جیسا معاملہ کوئی باپ اپنے بیٹے سے نہیں کرتا۔ خدا نے میری والدہ
کے ایثار اور میری ابتدائی پریشانیوں کا ایسا بدلہ دیا کہ سر شکر میں گر جاتا ہے اللہ تعالیٰ میرے برادر اکبر
ڈاکٹر عبدالعلی کی قبر کو نور و سکینت سے بھر دے کہ انھوں نے مجھ پر میری اولاد کی صحیح تعلیم و تربیت
کر کے انتہائی احسان کیا۔ کہ برسوں کی تکلیفوں کے بعد راحت و سکون اور طمانیت کے دروازے کھل گئے[2]

---

[1] ۔محمد ثانی (۲) محمد رابع (۳) محمد خامس (۴) واضح) الحمد للہ یہ تینوں حیات ہیں [2] خدا نے میری اولاد کی سعادتمندی اور دینی راہ کو
اختیار کرنے کے سبب سے جو راحت بخشی ہے اسکے ساتھ ساتھ میرے شوہر کو باوجود ظاہری بعض متعددین کے خصائل حمیدہ سے نوازا ہے اور
اب اس عمر میں خوف خدا اور محبت الٰہی اور اعمال شرعیہ کی پابندی بُری باتوں سے اجتناب بخشا ہے وہ بجائے خود میرے لئے راحت کا باعث ہے۔

میرے والدین کے ایثار و قربانی کا اللہ تعالیٰ نے مجھ کو اتنا اچھا اور بہتر بدلہ دیا کہ میری زبان شکر
کما حقہ شکر کرنے سے قاصر ہے ایسا بہتر اور مبارک رشتہ ثابت فرمایا کہ وہ لوگ جو اس رشتہ کے
وقت ملامت کرتے تھے اب اس رشتہ پر رشک کرتے ہیں۔ اور میرے والدین کی فراست ایمانی
اور میری والدہ ماجدہ کی دعاؤں اور تسلیم و رضا والی زندگی کی داد دیتے ہیں۔ اور ان مع العسر
یسرا فان مع العسر یسرا کی صداقت پر یقین کرنے پر سب ہی مجبور ہیں۔ میری والدہ نے کسی وقت
یہ شعر کہے تھے مگر میں کبھی ان اشعار کا اپنے کو مصداق سمجھتی ہوں ؎

کیا جو زندگی کو تلخ تو نے ضعیفی میں یہ راحت تو نے پائی
نتیجہ ہے فقط تیری دعا کا بڑھاپے میں تجھے پہونچی بھلائی
لگائی تھی جو تو نے آس بہتر
جو کی امید تو نے وہ بر آئی

باقی صفحہ ۴۸ (باب رحمت)

دے اور مجھ پر اور میری والدہ ماجدہ پر اور میرے والد مرحوم مولانا سید عبدالحی صاحب پر جو آپ
تیرے جوار میں ہیں اپنی رحمت نازل فرما۔ وہ رحمت جس کی وسعت ہر شئے پر حاوی ہے اور جس کی تیری
ہی ذات کی طرح کوئی ابتدا و انتہا نہیں۔ وہ رحمت جو میرے مالک میرے آقا کی رحمت ہے۔ جو
تیری رحمت ہے۔
اے ستار و غفار تو ان کی مغفرت فرما اور ان کی اولاد کو صلاح دے اور ان کے لئے باقیات صالحات
الٰہی وہ جن کے ذریعہ سے تو نے اپنے کچھ بندوں کو آخری پیام محبت پہونچایا۔ ان پر بھی اپنی
رحمت جاری رکھ۔ اور ان کا جو مرتبہ ہے اور جس سے تو ہی واقف ہے اس کے مطابق ان پر اور
ان کی اولاد اور ان کے چاہنے والوں پر صلوٰۃ و سلام بھیجتا رہ۔ آمین یا رب العالمین و آخر دعوانا
ان الحمد للہ رب العالمین ہ

عادات و معمولات

امۃ اللہ تسنیم

میں نے اپنے ہوش میں والدہ صاحبہ کے تین دور دیکھے ہیں۔

والد صاحب کی زندگی کا ایک دور، پھر ان کی وفات کے بعد، پھر عالم ضعیفی کا۔

والد صاحب کی زندگی میں والدہ صاحبہ نماز اور تلاوت کلام پاک کے بعد پورا وقت والد صاحب کی اطاعت اور خدمت میں گذارتی تھیں۔ ان کا کھانا، چائے، ناشتہ، پان اور ضروریات کی کل چیزیں خود ہی اپنے ہاتھ سے تیار کرتی تھیں۔ پورا دن انھیں کاموں میں گذر جاتا تھا۔ حالانکہ پکانے والی موجود تھی لیکن والد صاحب کے کام اس پر نہیں چھوڑتی تھیں۔

صبح سویرے اُٹھ کر ساوار میں چائے کا پانی رکھ کر آگ جلا دیتی تھیں پھر نماز کے لئے کھڑی ہو جاتی تھیں۔ جب والد صاحب مسجد سے تشریف لے آتے تو چائے دم کر کے ناشتہ پیش کر دیتی تھیں ناشتہ اور چائے کی فراغت کے بعد دوپہر کے کھانے کی تیاری میں مصروف ہو جاتی تھیں جدّت کا مادّہ تھا۔ ایک کھانے پر کبھی اکتفا نہیں، ہر روز نئی چیز، ہر روز نئی ایجاد، ذائقہ میں کھانے اور حلوہ جات کی جتنی ترکیبیں لکھی ہیں سب بیسیوں مرتبہ کی پکائی اور بنائی ہوئی ہیں والد صاحب بڑے مہمان نواز اور دعوت کرنے میں بھی بہت ممتاز تھے ہر روز کسی نہ کسی کی دعوت ہوتی اور والدہ صاحبہ بڑے انہماک سے دعوت کا سامان کرتیں۔ اور کئی کئی قسم کے کھانے حلوہ وغیرہ تیار کرتیں۔ ایک مرتبہ مجھے یاد ہے کہ میرے گھر کا آدھا صحن صرف ناشتہ کی پلیٹوں سے بھر گیا تھا۔ والد صاحب پان کے بھی بہت شوقین اور عادی تھے دن میں کئی مرتبہ گلوری دان بھرا جاتا تھا۔ گلوریاں بنا کر

گلوری دان میں گلوریوں کو ایسی خوبی سے بھرتی تھیں کہ پھول کا گلدستہ معلوم ہوتا تھا۔ اسی طرح پھلوں کی پھانکوں کو پلیٹ میں اس طرح سجاتی تھیں کہ دیکھنے والا عش عش کر جائے اور بغیر تعریف کئے نہ رہے۔

خدمت گذاری اور اطاعت کا جو سلوک اول دن سے کیا اس کو والد صاحب کے آخر دم تک نباہا ذرہ برابر فرق نہیں ہوا۔ ہم لوگوں کی تعلیم ہمارے چچا سید عزیز الرحمٰن صاحب کے سپرد کر دی تھی لیکن عشا بعد جب تمام کاموں سے فراغت ہو جاتی تھی تو ہم لوگوں کو سمجھا کر سکھاتی تھیں۔ قرآن شریف کی چھوٹی چھوٹی سورتیں اور حدیث کی دُعائیں یاد کراتی تھیں۔ وہ دعائیں اب تک ہم لوگوں کو یاد ہیں۔ اور ان دعاؤں کی فضیلتیں بتاتی تھیں، اللہ رسول کے قصے ایسی خوبی سے بتاتی تھیں کہ دل میں اترتے چلے جاتے تھے۔ صحابہ کرام اور صحابیات رضی اللہ عنہم کے حالات اور بزرگوں کے واقعات بھی سناتی رہتی تھیں۔ شیخ عبد القادر جیلانی کی سچائی کا واقعہ پہلی مرتبہ انھیں کی زبانی سُنا اور اسی طرح کے بیسیوں واقعات۔

قرآن شریف کی حافظ تھیں مجھ کو بھی حکم دیا کہ تم بھی حفظ کر لو چنانچہ میں نے چھ پارے یاد کر لئے پھر یہ کہہ کر چھڑا دیا کہ اب کوئی سامع نہیں ہے تم سنبھال نہ سکو گی۔

رمضان شریف میں والد صاحب کی خدمت کے باوجود دن میں اپنے بھتیجے سید حبیب الرحمٰن صاحب سے دور کرتیں اور رات کو تراویح میں سناتی تھیں۔

والد صاحب کی وفات کے بعد ہمہ تن خدا کی طرف متوجہ ہو گئیں گرمی میں ڈھائی بجے سے اور جاڑوں میں تین بجے سے اور رمضان شریف میں گرمی میں ایک بجے سے اور جاڑوں میں ڈیڑھ بجے سے تہجد کے لئے اٹھ بیٹھتی تھیں۔ اور بڑی لمبی لمبی سورتیں تھیں مثلاً سورہ حدید، سورہ حشر، سورہ دخان، سورہ یٰسین شریف، الم سجدہ، حم سجدہ، سورہ طور، سورہ نجم، سورہ واقعہ، سورہ رحمٰن، سورہ قٓ، سورہ ذاریات، تہجد میں اس قدر روتی تھیں کہ آنسوؤں سے جانماز تر ہو جاتی تھی اور کبھی اپنے لئے، اپنی اولاد کے لئے دنیا کی خواہش نہیں کی۔ بس اللہ رسول کی محبت، دینی خوبیاں اور دینی خدمت کی توفیق۔

صبح چار بجے انگیٹھی جلا کر رکھ دیتی تھیں اور خود نماز میں مصروف ہو جاتی تھیں، دوسرے لوگ اس سے فائدہ اُٹھاتے تھے۔ نماز پڑھ کر سب کو جگانا شروع کر دیتی تھیں۔ جو اٹھنے میں تساہلی کرتا تو بہت ناراض ہوتی تھیں اور جو نماز کے بعد سو جاتا تھا تو اس پر بھی خفا ہوتی تھیں۔ کہتی تھیں جو ہمارے گھر میں سوئے وہ نماز کو ضرور اُٹھے ورنہ یہاں نہ سوئے خود نماز پڑھ کر اسی جا نماز پر اشراق تک

بیٹھی رہتی تھیں۔ اور تہجد کے بعد صبح کی نماز تک لا الہ الا اللہ کی ضرب لگاتی تھیں۔ پھر صبح کی نماز کے بعد تسبیحات میں مشغول ہو جاتی تھیں۔ اشراق کی نماز پڑھ کر ناشتہ سے فارغ ہو کر کلام پاک کی تلاوت کرتیں، اور کچھ گھر کے کام انجام دیتیں۔ پھر چاشت کی نماز کے بعد مناجاتیں لکھنا شروع کر دیتیں۔ پھر ظہر کے کھانے کا وقت آ جاتا۔ کھانا کھا کر کچھ دیر آرام کرتیں۔ پھر اذان سے ایک گھنٹہ پہلے اٹھ جاتیں۔ اور جا نماز پر بیٹھ کر تسبیح میں مشغول ہو جاتی تھیں۔ جب ظہر کی اذان ہو جاتی تھی تو نماز پڑھ کر سورہ فتح اور سورہ نبا پڑھتی تھیں۔ پھر تسبیح پڑھنا شروع کر دیتی تھیں۔ حتیٰ کہ عصر کا وقت آ جاتا تھا۔ عصر کی نماز پڑھ کر پھر کلام پاک کی سورتیں مغرب تک پڑھتی رہتی تھیں۔

ایک نماز پڑھ کر دوسری نماز کا انتظار شروع ہو جاتا تھا۔

جب تک قوت و ہمت رہی گھر کی دیکھ بھال بھی کرتی رہیں۔ مگر جب علی کی دلہن[۱] بیاہ کر آ گئیں تو پورا گھر ان کے سپرد کر کے خود فارغ ..... ہو گئیں۔ رمضان شریف میں تراویح میں کلام پاک برابر سناتی رہیں جب ضعیفی کا عالم ہوا تو بیٹھ کر سنانے لگیں۔ جب اس کی بھی طاقت نہیں رہی تو مجبوراً چھوڑنا پڑا۔ بصارت نے بھی جواب دے دیا تھا۔ ایک بات بھی قابل تحسین ہے کہ آنکھوں کی بصارت عرصہ سے ختم ہو گئی تھی لیکن ہم لوگوں کے سوا خاندان کے کسی فرد نے نہ جانا اس حدیث قدسی کے مصداق بن گئیں۔ "جب میں اپنے بندے کو مصیبت میں مبتلا کرتا ہوں یعنی اس کی آنکھیں لے لیتا ہوں اور وہ ان پر صبر کرتا ہے تو میں ان دونوں کے بدلے اس کو جنت دوں گا۔"

آنکھوں کی روشنی ختم ہونے کے بعد دن رات نماز، تسبیح اور تلاوت کلام پاک ہی کام رہ گیا اور ہر وقت یہ کھٹکا لگا رہتا تھا کہ نماز وقت سے بے وقت نہ ہو جائے گھڑی سرہانے رکھی رہتی تھی ہر آنے جانے والے سے پوچھتی رہتی تھیں۔ کیا بجا ہے، میں ہر وقت ان کے پاس رہتی تھی گھڑی بھر کو بھی کمرے سے نکل جاتی تھی تو پکارنے لگتیں۔ اکثر میں کہتی کہ میں پاس بیٹھی ہوں بتا دوں گی کہ وقت آ گیا مگر اطمینان نہ ہوتا تھا ہر دس منٹ پر پوچھتی تھیں کہ کیا بجا ہے اور مغرب کے وقت تو دروازہ پر ایک آدمی کو بٹھا دیتی تھیں کہ اذان سنکر فوراً بتا دو۔ رات کو تاکیدی حکم تھا کہ گھڑی کو کوک دو، الارم لگا دو، پھر اطمینان نہ ہوتا تو پوچھتی تھیں کہ الارم لگا دیا۔ اگر اتفاق سے کبھی بھول ہو جاتی گھڑی نہ بجتی آنکھ نہ کھلتی تو بہت ناراض ہوتیں۔ اور سارے دن اس کا رنج رہتا۔ عشاء کی نماز پڑھ کر سو جاتی تھیں۔ لیکن تھوڑی دیر میں آنکھ کھل جاتی تھی۔ اور گھبرا کر پوچھتی تھیں ہم نے عشاء کی نماز پڑھی ہے جو ہم کہتے ہاں پڑھی ہے تو کہتیں خوب یاد ہے

---

[۱] لکھنؤ کے مکان کی ذمہ داری ڈاکٹر عبد العلی صاحب کی اہلیہ کے سپرد تھی اور رائے بریلی کے مکان جہاں خود بھی مقیم تھیں اپنی چھوٹی بہو کے سپرد کیا

تم نے دیکھا ہے پھر خود کو بھی یاد پڑ جاتا۔ اور کہتیں کہ ہاں پڑھ لی ہے۔ پھر سو جاتی تھیں۔

عرصہ سے ایک کام یہ اپنے ذمہ کر لیا تھا کہ ناشتہ کی فراغت کے بعد سورہ فاتحہ الم مفلحون تک، آیۃ الکرسی، آمن الرسول، سورہ یٰسین شریف، لقد جاءکم سے عظیم تک سورہ کہف کی اول آخر کی دس دس آیتیں۔ اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسمائے حسنیٰ سورہ الم نشرح، سورۂ اخلاص، سورہ فلق، سورہ ناس۔ یکاد والذین سے مجنون تک، قل من یصیبنا سے مومنون تک، وان یمسسک اللہ بضر فلا کاشف الا ہو وان یردک بخیر فلا راد لفضلہ یصیب من یشاء وہو الغفور الرحیم، رب اشرح لی صدری سے یفقہو قولی تک۔ اللھم اجعل فی قلبی نورا الیٰ آخری اور حزب الاعظم کی چند مخصوص دعائیں اور درود شریف پڑھ کر پانی پر دم کر دیتیں۔ اور وہ پانی گھر کے کل افراد کو پلاتی تھیں۔ پھر تو یہ ہوا کہ مریضوں کے لئے جانے لگا۔ دور دور سے لوگ آتے اور پانی لے جاتے، اللہ کے فضل سے لوگوں کو شفا ہونے لگی اور اب تو یہ ہو گیا تھا کہ خاندان کے سارے افراد اپنے اوپر دم کرانے لگے تھے اور ہر ایک کو اتنی شفقت و محبت سے ہاتھ پھیر پھیر کر دم کرتی تھیں کہ مزا آ جاتا تھا۔ آنے جانے والی عورتیں بھی اپنے اوپر دم کراتی تھیں۔

خوراک بالکل کم ہو گئی تھی۔ صبح کو ایک بسکٹ ایک پیالی چائے، دوپہر اور شام کو ایک پھلکے کا چھلکا اور دو نوالے چاول۔ پتہ نہیں کس طرح جی رہی تھیں۔

عرصہ سے دل بہت بے چین رہنے لگا تھا۔ اکثر کہتیں کہ اختلاج بہت ہے، اس کا یہ انتظام کیا کہ ان کی مناجاتیں سنائی جانے لگیں اس سے انھیں بہت سکون ملنے لگا۔ چونکہ اپنی مناجاتیں بھول چکی تھیں اب جو سنیں تو انھیں مزا آ گیا۔ بہت خوشی ہوئی کہ یہ سب دعائیں کر چکے ہیں بھلا ایسا مانگنے والا محروم نہیں ہو سکتا ہے اس خیال نے ان کو بہت تسکین بخشی روزانہ تین چار مناجاتیں سنائی جاتی تھیں۔

مرض الموت میں پکانے والی نے بہت خدمت کی ان کو یہ نصیحت کی کہ دیکھو حلیمہ سورہ واقعہ روز پڑھنا کبھی تمہیں فاقہ نہ ہو گا اور اپنے سب بچوں پر نماز کی تاکید رکھو۔ ورنہ تم سے پوچھ ہو گی اور ہر فرض نماز کے بعد اُنیس اُنیس بار بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر دعا کیا کرو قبول ہو گی۔

دنیا سے بے رغبتی ہمیشہ سے تھی۔ لیکن اب تو نفرت ہو گئی تھی کہتی تھیں کہ ہم سے دنیا کی بات نہ کرو۔ غیبت سے قلبی عداوت تھی ہم لوگوں سے کہتی تھیں کہ اگر تم نے غیبت کی کوئی بات اختیار کی تو تم سے نفرت ہو جائے گی۔

عملیاتِ قرآنی

مجربات جنابہ خیر النساء بہترؔ صاحبہ رحمۃ اللہ علیہا

سیّد محمد سالم حسنوی

مرحومہ و مغفورہ کو اللہ تعالیٰ نے علم و عمل کے ساتھ ساتھ قرآن کریم کی آیتوں کے ذریعہ عملیات کا بھی ملکہ عطا فرمایا تھا۔ اور ان کے عملیات کو اتنا زود اثر بنایا تھا کہ وہ اس معاملہ میں بھی مرجع بن گئی تھیں وہ اپنے متعلقین کو ان کی تلقین بھی کرتی تھیں مجھکو بھی چند اپنے مجربات لکھوائے تھے جو درج ذیل کئے جاتے ہیں۔ ان مجربات کو جب میں نے لکھ لیا تو مرحومہ نے ان کو دوبارہ سنا اور بعض غلطیاں درست کرائیں۔

برائے گمشدہ معمولی چیز کھونے پر ۱۹ بار انا للّٰہ وانا الیہ راجعون ٥ پڑھ کر تلاش کریں انشاء اللہ مل جائے گی۔

برائے گمراہ اولاد اگر کسی کا لڑکا پڑھتا نہ ہو، اور ادھر ادھر مارا مارا پھرتا ہو تو سورۂ صف ایک مرتبہ سات روز تک پانی پر پڑھ کر دم کرے اور پلائے

برائے چشم فکشفنا عنک غطاءک فبصرک الیوم حدید ٥ تین بار پڑھ کر انگلی پر دم کرکے آنکھوں پر پھیرے۔ اور گیارہ بار "یا نور" سر پر ہاتھ رکھکر پڑھے۔

برائے بخار شدید لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم بالمؤمنین رؤف رحیم ٥ فان تولوا فقل حسبی اللہ لا الٰہ الا ھو علیہ توکلت وھو رب العرش العظیم ٥ پڑھ کر دم کرے۔

برائے مقدمہ مذکورہ بالا آیات کو لکھ کر ٹوپی میں رکھے، انشاء اللہ مقدمہ میں کامیابی ہوگی۔

دیگر:- وتمت کلمت ربک صدقا وعدلا لا مبدل لکلمٰتہ وھو السمیع العلیم
اس آیت کو پانچ پانچ تسبیح صبح اور شام اور اول و آخر درود شریف پڑھے۔ انشاء اللہ مقدمہ میں کامیابی ہوگی، اگر روزانہ نہ پڑھ سکے تو جمعہ کے روز ستر مرتبہ اس آیت کو پڑھے

برائے نظر بد سورہ فاتحہ ایک بار اور چاروں قل ایک ایک بار اور الم تا مفلحون وان یکاد الذین کفروا لیزلقونک بابصارھم لما سمعوا الذکر ویقولون انہ لمجنون سات بار پڑھ کر مریض پر دم کرے۔

برائے زبان بندی ترش و تلخ الیوم نختم علی افواھھم ولا یؤذن لھم فیعتذرون ٥ صم بکم عمی فھم لا یعقلون
اگر کوئی شخص بدزبان اور ترش رو اور تلخ باتیں کرتا ہو یہ آیتیں پڑھ کر اس کے اوپر پھونک دے، انشاء اللہ وہ اس کے پاس سے ہٹ جائے گا۔

برائے کثرت گریہ صبیان افحسبتم انما خلقنٰکم عبثا وانکم الینا لا ترجعون فتعالی اللہ الملک الحق لا الٰہ الا ھو رب العرش الکریم ٥ لڑکے کے رونے پر دس بار داہنے کان میں اور گیارہ بار بائیں کان میں پڑھ کر دم کردے۔ انشاء اللہ رونا بند ہو جائے گا۔

برائے حفاظت اعداء اللّٰھم انا نجعلک فی نحورھم ونعوذ بک من شرورھم اور اس کے ساتھ "سورہ الم ترکیف" اور تبت یدا بھی ملاکر پڑھے کنکریاں مٹی پر دم کرکے دشمن کا تصور کرکے اس کی طرف پھینکدے، یا اگر دشمن سامنے ہو تو اس کی طرف پھینک دے انشاء اللہ حفاظت رہے گی

برائے حفاظت از جنگ و جدال سورۂ بقر اور سورہ احزاب کا ختم پڑھے انشاء اللہ جنگ و جدال میں حفاظت و امن سے رہے گا۔ نیز سورۂ بقر کا ختم پڑھنا سخت بارش و سیلاب سے حفاظت ہے۔

برائے رہائی قیدی سات دن تک سورہ یوسف پڑھے انشاء اللہ قید سے رہائی حاصل ہو۔

برائے کشائش رزق اَللّٰھُمَّ اکفنی بحلالک عن حرامک واغننی بفضلک عمن سواک جمعہ کی اذان ہونے، یا جمعہ کی نماز کے بعد ستر بار اس آیت کو پڑھے۔ انشاء اللہ رزق میں کشادگی حاصل ہوگی

دیگر:۔ بعد نماز فجر کے گیارہ سو گیارہ "یا مغنی" اور اس کے اول و آخر درود شریف روزانہ پڑھے اللہ تعالےٰ فراخی دیں گے۔

برائے دستک درود شریف تین بار پڑھ کر "سورہ والضحیٰ" پڑھے، "ضالاً" پر پہونچے تو اسے ایک مرتبہ پڑھے اور "ووجدک عائلاً فاغنیٰ" کو دو مرتبہ پڑھے اسی طرح "سورہ والضحیٰ" کو دو مرتبہ پڑھ کر ہتھیلیوں کو ملا کر پھونکے، تین مرتبہ تھپک تھپک کر دستک دے اور ساتھ ہی یہ الفاظ کہے "یا اللہُ یا قویُّ یا قادر"، وہ چیز آئے، اور حاضر ہو جائے انشاء اللہ کامیابی ہوگی۔

برائے کامیابی امتحان "الحمد" ایک مرتبہ "الم نشرح" تین بار اور "انا انزلنا" گیارہ بار مع درود شریف بعد نماز فجر پڑھے، اس کے بعد دعا مانگے، انشاء اللہ کامیابی ہوگی۔

برائے دفعیہ مصیبت اَللّٰھُمَّ احسن عاقبتنا فی الامور کلھا واجرنا من خزی الدنیا و عذاب الاخرۃ پڑھنا مفید ہوگا۔

دیگر:۔ اَللّٰھُمَّ انی اسئلک من فجاءۃ الخیر واعوذبک من فجاءۃ الشر۔
اَللّٰھُمَّ اتنی افضل ما توتی عبادک الصالحین سو بار ان دعاؤں کا پڑھنا مفید ہے۔

برائے ترش رو وتذروہ الریاح وکان اللہ علیٰ کل شئی مقتدرا، یومئذ یصدر الناس اشتاتا، انفروا خفافاً وثقالاً
اگر کوئی شخص ترش رو، بدزبان ہو، اس کو اپنے پاس سے ہٹانا چاہیے، تو یہ دعا پڑھ کر بیٹھ پر پھونک دے انشاء اللہ چلا جائے گا، نیز مچھر کے لئے بھی مفید ہے۔

برائے جنون و آسیب "سورہ جن" آسیب و دماغ کی خرابی کے لئے مفید ہے۔

زندگی کے آخری ایّام

محمد ثانی حسنی

اتا بی زندگی کے آخری برسوں میں بالکل معذور ہو گئی تھیں، آنکھوں سے کچھ نہیں دکھائی دیتا تھا صرف روشنی کا احساس ہوتا اور ہلکی سی پرچھائیں نظر آتی تھی لیکن ذہن و دماغ پوری طرح کام دیتے تھے، پیروں کی طاقت بالکل جواب دے چکی تھی، رفع حاجت یا کسی سخت ضرورت پر اگر کہیں جانا ہوتا تھا تو سہارے سے لے جائی جاتی تھیں باوجود اس ضعف و نقاہت اور کبر سنی کے کہ عمر نوّے سے تجاوز کر گئی تھی، ذکر الٰہی اور تلاوت قرآن، نوافل کی ادائگی کا بڑا اہتمام تھا ان کے پاس خاندان کی بیبیاں، لڑکیاں اور عزیز و اقارب برابر آتے جاتے اور ان کی خدمت میں بیٹھکر خیر و برکت حاصل کرتے۔

آخر زندگی میں اپنے مکان کے مغربی کمرہ میں قیام کیا جہاں تک ہمارا علم اور مشاہدہ ہے شب و روز کے چند گھنٹوں کے سوا جو سونے میں صرف ہوتے تھے کوئی لمحہ یاد الٰہی یا دینی باتوں کے کہنے اور سننے کے علاوہ نہیں گزرتا تھا، انھوں نے اب سے چالیس برس پہلے خدا کی جناب میں جو عرض کیا تھا اور جو دعا مانگی تھی وہ خدا نے بدرجہ اتم قبول کی، انھوں نے کتنے جذبہ سے عرض کیا تھا:

جینے کی تمنا ہے نہ مرنے کا مجھے غم
ہے فکر تو یہ ہے تجھے بھولوں نہ کسی دم
چپ ہو نہ زباں میری تری حمد و ثنا میں
فرق آنے نہ پائے رہ تسلیم و رضا میں
جبتک کہ رہوں زندہ تری الفت کا بھروں دم
بھولوں نہ تجھے میں مجھے رکھ یاد تو ہر دم

پھر یہی ہوا۔ تسلیم و رضا، محبت الٰہی، ذکر و عبادت تو ان کی خصوصیات و امتیاز میں داخل ہو گئی۔ دیکھ کر یقین نہیں آتا تھا کہ وہ اتنے ضعف و نقاہت کے باوجود کیسے معمولات پورے کرتی ہیں۔ اسی طرح بیٹھ کر تفصیل سے ہر ایک پر دم کرتیں اور ہر ایک پر کئی کئی بار دم کرتیں۔ تسبیح ہر وقت ہاتھ میں رہتی اور زبان مصروف ذکر رہتی۔ کوئی آکر اگر بیٹھ جاتا تو بہت خوش ہوتیں اس کا حال پوچھتیں۔ وہ دعا کی درخواست کرتا تو فوراً دعا کرنے لگتیں۔

آخر میں مناجاتوں کے سننے کا شوق بہت بڑھ گیا تھا۔ انھوں نے اپنی زندگی میں سیکڑوں مناجاتیں کہی تھیں اور بعد میں یہ تک بھول گئی تھیں کہ ہم نے کب اور کونسی مناجات کہی تھی جب ان کے سامنے ان کی بھولی ہوئی کوئی مناجات پڑھی جاتی تو بہت خوش ہوتیں۔

آخر میں معدہ نے جواب دے دیا تھا جسم میں خون کی بے حد کمی تھی۔ کمزوری انتہا کو پہونچ چکی تھی بیماری کے ذرا سے جھٹکے سے وہ نڈھال ہو جاتیں۔ آخری دنوں میں اک بار معدہ خراب ہوا تو حالت غیر ہو گئی اور لوگ پریشان ہو گئے مگر خدا کے فضل سے آنکھ کھولدی اور تھوڑی بہت ہشیاری آئی، اسی درمیان ماموں جی کا سفر بھوپال پیش آگیا، وہ تذبذب میں پڑ گئے کہ سفر کرنا چاہیے کہ نہ کرنا چاہیے۔ امّاں بی عمر کی ایسی منزل میں پہونچ چکی تھیں کہ صبح و شام اس کا خطرہ رہنے لگا تھا کہ دیکھیں اب کیا ہوتا ہے اس لئے چند گھنٹوں کے لئے بھی ماموں جی کا غائب ہونا سب کو محسوس ہوتا تھا۔ اسی تذبذب میں ماموں جی خدمت میں حاضر ہوئے اور سفر کے متعلق عرض کیا اور کہا "بی بی ہم اپنے کو بالکل آپ کے حوالے کرتے ہیں اگر ذرا سا بھی خیال ہو تو ہم سفر نہ کریں ابھی دو روز باقی ہیں جو حکم ہوگا وہ کیا جائے گا۔" امّاں بی نے کہا "علی میں تم کو دینی کام سے بالکل نہیں روکتی تم جاؤ اللہ حافظ و ناصر ہے۔"

میری بچی امۃ اللہ سلمہا سے جو اکثر ان کی خدمت میں رہتی اور تیمارداری کا کام انجام دیتی وہ بہت مانوس تھیں اپنے پاس بٹھا کر مناجاتیں سنا کرتی تھیں۔ چند مناجاتیں جو انھوں نے خاص طور پر سنیں اور اپنی بے پایاں خوشی کا اظہار کیا ان کے چند شعر آپ بھی سنیئے ؎

یا الٰہی اب مجھے دیدار احمدؐ ہو نصیب — کر دعا مقبول میری نام ہے تیرا مجیب
خواب میں مجھکو نظر آئے تو میں اسلام لوں — ہے یہی پیارا محمدؐ جو خدا کا ہے حبیب

اور جب اس شعر کو سنا تو بے خودی ہو گئیں اور مسکرا اٹھیں ؎

ہوں اسی دم یا الٰہی میں فدائے مصطفیٰ — روح میری جنت الفردوس کے پہونچے قریب
آئیں حوریں میرے لینے کے لئے فردوس سے — شور ہو عالم میں یہ ہر سو کہ کیا جاگے نصیب

اپنے صاحبزادے مولانا علی میاں سے محبت کا جو تعلق تھا وہ کسی سے مخفی نہیں ان کی سلامتی اور خدمت دین، مقبولیت کی دعائیں ہمیشہ کیں اور کرتی رہیں۔ ان کی مشہور نظم جو اپنے صاحبزادے کیلئے کہی تھی ان کے سامنے پڑھی گئی جس کے چند شعر یہ ہیں ؎

رہے زندہ باقی جہاں میں علی — رہے تیرے حفظ و اماں میں علی
ہو آباد کون و مکاں میں علی — ہو سرسبز باغ جہاں میں علی
علی سے ہو روشن چراغ جہاں — علی سے ہو سرسبز باغ جہاں

یہ ایک طویل نظم ہے جس میں ہر طرح کی دعا اور مناجات ہے جب ان کی نواسی نے اس نظم کے یہ شعر پڑھے ؎

تو حافظ ہے اس کا تو ہی ہے رقیب — بلا کوئی آوے نہ اس کے قریب
دعا سن لے، میری تو رب مجیب — الٰہی علی کو تو کر خوش نصیب
علی سے بڑھے خاندان علی — علی سے نمایاں ہو شان علی

تو خوشی و مسرت سے چہرہ کھل اٹھا اور بے ساختہ آمین آمین کے الفاظ دہرانے لگیں۔ اسی نظم کا ایک شعر کتنے درد و اثر میں ڈوبا ہوا ہے۔

یہ دل آزمائش کے قابل نہیں ہے — کہ بسمل تر اب وہ بسمل نہیں ہے

اس نظم کے بعد پڑھنے والی نے انھیں کی کہی ہوئی دوسری مناجات پڑھی جس کی ابتدا اس طرح ہے ؎

نہوں کیوں کر تصدق اس خدا کے — میں ہوں قربان اس شانِ عطا کے
تسلّی دی مجھے اس نے اسی دم — گئی در پر میں جب اس کبریا کے
نہیں تھی میں کسی قابل جہاں میں — مگر سب کچھ دیا اس نے بلا کے
تمنائے دلی میری یہی ہے — اٹھا لے رنج سے غم سے بچا کے
خوشی میری رہے باقی جہاں میں — میں کر جاؤں سفر آرام پا کے

اس مناجات کو ختم کرکے اسی کے بعد والی مناجات پڑھی جسکے اشعار یہ ہیں ؎

تجھ سے گر میں کہوں نہ حالِ دل — کس طرح پھر قرارِ جاں ہووے
کیوں نہ تجھ سے کہوں میں رو رو کر — ضبط کیونکر یہ اب فغاں ہووے
دل میں طاقت ہے نہ ہمت ہے — حال دل کس طرح بیاں ہووے
جو ہے مغموم ایک مدت سے — پھر بھلا کیوں نہ نیم جاں ہووے
عفو کر اب مری خطاؤں کو — تو ہی اب مجھ پہ مہرباں ہووے
تیرے لطف و کرم کے صدقے میں — صدمہ و رنج بے نشاں ہووے
تیرے نزدیک کچھ نہیں مشکل — تو جو چاہے نہیں بھی ہاں ہووے
تو جو چاہے گا بس وہی ہوگا — اک طرف گرچہ سب جہاں ہووے
بس رضا پر ترے میں راضی ہوں — حکم تیرا جو کچھ عیاں ہووے
شکر اس کا کرے نہ کیوں بہتر
جو کہ ہر لحظہ مہرباں ہووے

اس مناجات کو جب ختم کیا گیا تو بڑی حیرت و استعجاب کے ساتھ کہا کہ ہم نے کیا ایسی مناجاتیں کہی ہیں؟ پھر اپنی صاحبزادی (امۃ اللہ تسنیم صاحبہ) سے بولیں۔

"عائشہ! ہم کو بہت اطمینان ہے کہ جو کچھ مانگنا تھا مانگ لیا"

جمعہ کو ماموں جی (مولانا علی میاں نے بھوپال کا براہ دہلی سفر کیا۔ اماں بی ہمیشہ رات کے سفر سے گھبراتی تھیں لکھنؤ سے دہلی کا سفر رات ہی کا ہوتا ہے، دوسرے دن سنیچر کو مجھ سے کہنے لگیں

"ہم کو علی کے سفر کی بڑی فکر ہے۔ دہلی رات کو گئے ہیں۔ نہ معلوم کیسی گذری ہوگی، اللہ تعالےٰ خیریت سے پہونچائے اور واپس لائے"

میں نے عرض کیا، اماں بی آپ بالکل پریشان نہ ہوں، سفر بہت آرام سے انشاء اللہ ہوا ہوگا۔ لیٹنے کی سیٹ مل گئی ہے۔ ایسا سفر ہوا ہوگا جیسے یہاں اپنے پلنگ پر سو رہے ہوں، اس کو سنکر مسکرائیں اور کہا ماشاء اللہ،

اسی رات کو یا اس سے قبل کسی رات کو خواب دیکھا اور صبح اپنی صاحبزادی سے کہا ہم نے

یہ خواب دیکھا کہ ہمارے جسم کے ایک ایک رونئیں سے اللہ کی حمد نکل رہی ہے:

اتوار کی شب گذرنے پر جب میں صبح کی نماز کو جانے لگا اور اماں بی کے کمرے کے قریب سے گذرنے لگا تو میری خالہ (امۃ اللہ تسنیم صاحبہ) نے کہا، محمد ثانی، اماں بی گر پڑیں، میں نے پوچھا کب؛ انھوں نے کہا ابھی تھوڑی دیر پہلے، میں نے کہا اس وقت کیا حال ہے؟ وہ بولیں اس وقت غالباً سو گئیں، نماز کے بعد آکر میں نے پھر پوچھا۔ معلوم ہوا کہ نماز پڑھ کر سو گئی ہیں۔

چند گھنٹوں کے بعد ان کو بڑی تکلیف محسوس ہوئی۔ مونڈھے میں کافی ورم تھا۔ میں نے پوچھا، اماں بی کیا حال ہے کہنے لگیں سانس لینے میں بھی تکلیف ہوتی ہے۔ ہم کو ڈر ہے کہ ہڈی میں ضرب آگئی ہے مختلف دوائیں دی گئیں، وقتی آرام ہوا، بالآخر مشورہ سے شام کو ڈاکٹر بلوایا گیا۔ اس نے دیکھکر کہا ہڈی بے جگہ ہو گئی ہے اور ضعف کا یہ حال ہے کہ ٹھیک کرنا بہت مشکل ہے۔ دواؤں سے کام چلایا جائے۔

تیسرے دن ان کو کرسی پر بٹھا کر دوسرے کمرے میں منتقل کیا گیا جس میں پہلے مستقل قیام رہتا تھا اور زیادہ کشادہ اور روشن تھا۔ منتقل کرنے میں ان کو اتنا ضعف ہو گیا کہ نبض کمزور ہو گئی، اسی وقت میں نے ماموں جی کو "فوراً واپس آنے" کا تار دیا۔ اور اس تار کی خبر اماں بی کو سنا دی۔ یہ سنکر وہ خوش ہو گئیں۔ جیسے قوت عود کر آئی ہو۔ اور بولیں۔ ماشاء اللہ، دوسرے دن ماموں جی کا تار آگیا کہ میں پہونچ رہا ہوں۔ جب اس تار کی اماں بی کو خبر دی گئی تو اور زیادہ خوش ہوئیں اور کہنے لگیں "مزہ آگیا"۔ بدھ کی صبح کو ماموں جی پہونچ گئے۔ ماموں جی سے ملتے ہی دیسا معلوم ہوا کہ قوت پوری طرح عود کر آئی، وہ اپنی ساری تکلیفوں کو بھول گئیں۔ ہم سب نے ماں بیٹے کی اس ملاقات کو ایسی نعمت جانا جس کی بظاہر امید نہ تھی۔

جمعہ اور سنیچر کی درمیانی رات بڑی بے چینی میں گذاری اس کے باوجود نمازوں کا اہتمام اور تسبیح کا معمول برابر جاری رہا۔ کمزوری بڑھتی جارہی تھی ہڈی کی تکلیف بہت تھی مگر کسی وقت بھی ایسا کلمہ نہیں کہا جس سے شکایت یا بے صبری کا ادنا شائبہ بھی پایا جاتا ہو۔ اسی تکلیف میں جب کہ جوان سے جوان آدمی تک چیخ اٹھتا ہے۔ ایک ۹۳ سالہ ضعیف و ناتواں بی بی سراپا صبر و شکر بنی ہوئی تھیں سوائے ذکر کے کوئی کلمہ زبان پر نہ آتا تھا۔ ہاں ایک بار بڑی تکلیف ہوئی تو بے چین ہو کر کہا "یا اللہ ہماری خطاؤں کو معاف فرما"۔

اسی آخری شب کو جبکہ بے چینی اور بے قراری بہت زیادہ بڑھ چکی تھی تو ان کی رشتہ کی ایک نواسی ریحانہ نے کہا آتا بی اگر آپ فرمائیں تو کوئی مناجات یا نعت سنائیں تو فوراً بول اٹھیں۔ ضرور سناؤ، ریحانہ نے آتا بی کی مناجاتوں میں سے یہ مناجات سنائی ؎

زباں میں یا الٰہی یہ اثر دے
کہ جو چاہوں میں تجھ سے تو وہ کر دے
رہے باقی کوئی حسرت نہ یا رب
گل مقصود سے دامن کو بھر دے
تصدق میں حبیبِ مصطفےٰؐ کے
مری سب مشکلیں آسان کر دے
مسرت کی گھڑی دکھلا دے یا رب
غم و رنج و الم سب دور کر دے
عطا پر عطا و رحمت پہ رحمت
مرا گھر نعمت و دولت سے بھر دے
تو اپنی خاص رحمت سے الٰہی
خوشی شام و سحر آٹھوں پہر دے
ترا ملنا بہت آسان ہو جائے
اگر اپنا کرم اک آن کر دے
رہے زندہ مری اولاد یا رب
ترقی، رزق میں شام و سحر دے
اگر زندہ رہوں میں تو رہوں خوش
اگر مر جاؤں تو جنت میں تو گھر دے
جہاں میں جب تلک زندہ ہے نسبت
سراپا خیر و خوبی سے اس کو بھر دے

اس مناجات کے بعد پڑھنے والی نے حسب ذیل دوسری مناجات شروع کی۔ آتا بی ان کو سنتی جاتی تھیں اور زیر لب آمین کہتی جاتی تھیں۔ ان کو کیا معلوم تھا کہ دوسرے دن ہی ان کا رب —— "اگر مر جاؤں تو جنت میں تو گھر دے" کی دعا قبول فرمانے والا ہے

کونسی سرکار ہے جس کا سبھی کو آسرا
کونسا دربار ہے جس میں ہے ہر کوئی کھڑا
کونسا وہ شاہ ہے جس کا ہے ہر کوئی گدا
کونسا در ہے نہ جس در سے کوئی خالی پھرا
آج اسی سرکار سے میں بھی تو پا کر شاد ہوں
آج اسی دربار سے میں بھی تو خوش ہو کر پھروں

یہ مناجات کافی طویل ہے اس میں انبیاء کرام کا واسطہ اور وسیلہ، حضرت یوسف کا چاہ میں جانا اور خدا کا فضل کرنا، حضرت ایوب کی تکلیف اور اس سے نجات، حضرت یونس کا مچھلی کے پیٹ میں جانا

اور نکلنا۔ حضرت ابراہیم پر آگ کا ٹھنڈا ہونا تفصیل سے ذکر کیا ہے، اور خدا کے اسی مسلسل فضل و کرم کا واسطہ دیکر اپنی تکلیفوں سے نجات کی طلبگار ہوئی ہیں۔ اس نظم کا ایک شعر ہے ؎

اب تو خوش ہو جا الٰہی مصطفےٰ کے واسطے
باب رحمت کھول دے خیر النساء کے واسطے

خیر النساء، آتا بی کا اصلی نام تھا۔ اور تخلص بہتر کرتی تھیں۔ یہ مناجات ریحانہ نے چند ہی بند تک پڑھی تھی کہ کسی کام کو چلی گئیں تو آتا بی نے مکمل کرنے کا تقاضا کیا۔ اور اماں نے یہ مناجات پوری کی لیجئے آپ بھی چند شعر اور سن لیجئے۔

یا الٰہی اب جہاں میں مبتلائے غم نہ کر
دل مرا پر غم نہ کر اور چشم میری نم نہ کر
فکر غم سے ہوں میں لاغر پشت میری خم نہ کر
جو نگاہ رحم ہے مجھ پر تری وہ کم نہ کر
دے رہائی قید غم سے اے خدا اب تو مجھے
بس بڑی اُمید سے میں نے پکارا ہے تجھے

رات گذری، صبح کی نماز ادا کی، طبیعت میں کچھ سکون پیدا ہوا۔ چاشت کا وقت آگیا۔ تو بغیر کچھ کہے تیمم کی مٹی تلاش کرنے لگیں جو اُن کے سرہانے رہتی تھی۔ کسی نے کہا ابھی ظہر کا وقت نہیں آیا۔ مگر وہ کچھ نہیں بولیں اور ادھر ادھر ہاتھ بڑھاتی رہیں۔ تو تیمم دیا گیا۔ پورے اہتمام سے تیمم کیا۔ اس وقت ہلکی سی غفلت طاری ہو چکی تھی مگر اس کے باوجود چاشت کی نماز دو رکعت ادا کی اور پھر غفلت زیادہ ہو گئی۔

نماز ظہر کا وقت آیا تو ماموں جی (مولانا علی میاں) نے اپنی ہمشیرہ سے کہا کہ بی بی کو نماز پڑھا دو۔ عرض کیا گیا آتا بی نماز پڑھیے گا مگر وہ بالکل نہ بولیں تیمم ہاتھ کے پاس لایا گیا تو خود تیمم کیا اور پوری طرح کیا اور خود سینے پر ہاتھ رکھا۔ (جو دایاں تھا بایاں ہاتھ تو ہڈی میں ضرب آنے کی وجہ سے بالکل حرکت نہیں کرتا تھا۔) اور پوری چار رکعت نماز ادا کی۔ نہ معلوم نماز کے وقت اتنا ہوش کیسے آگیا انھوں نے برسوں پہلے اپنے آخری وقت کے لئے یہ شعر کہا تھا ؎

اس گھڑی لب پر الٰہی مرے تو ہی تو ہو
بے خودی میں بھی رہے ہوش بس اتنا باقی

ہم لوگ سب نماز پڑھنے چلے گئے۔ ماموں جی نے مجھ سے کہا کہ اب قریب ہی رہنا۔ ہم لوگ جلدی

واپس آگئے۔ غفلت طاری تھی۔ لیکن عجیب بات تھی کہ دایاں ہاتھ برابر کسی چیز کو تلاش کر رہا تھا
معلوم ہوا کہ تسبیح تلاش کر رہی ہیں۔ کیونکہ تسبیح ہر وقت ان کے ہاتھ میں رہا کرتی تھی اور آخر میں تسبیح
ہاتھ سے لے کر الگ رکھدی گئی تھی کہ ہاتھ چلانے سے تکلیف ہوگی اسی عادت کی بنا پر وہ ہاتھ
بڑھاتی تھیں اور ہاتھ کی انگلیاں ایک دوسرے کو اس طرح مس کر رہی تھیں کہ دائرہ سا بن گیا تھا۔
جیسا کہ تسبیح پکڑتے وقت دائرہ بن جاتا ہے۔

تین بجے کیفیت میں تبدیلی ہوئی اور سکوت ٹوٹا۔ اور زور زور سے سانس کے ذریعہ ذکر
کرنے لگیں اس ذکر کو سن کر سب لوگ جمع ہو گئے، اللہ، اللہ کا ذکر اتنے زور اور صاف طریقے
سے جاری ہوا کہ کمرہ کے باہر آواز جانے لگی، پونے تین گھنٹے لگاتار ذکر کرتی رہیں۔ ہم لوگوں نے
کبھی ایسا پر سکینت منظر نہ دیکھا تھا معلوم ہوتا تھا کہ خدا کی رحمت اتر رہی ہے سبھوں کے دل بھرے
ہوئے تھے یہ مبارک منظر دیکھ کر انھیں کی مناجاتوں کے چند شعر یاد آگئے اور ان کی قبولیت بدرجہ
اتم نگاہوں کے سامنے آگئی ؎

رکھ مجھے اسلام اور ایمان پر ثابت قدم — ساتھ آسانی کے نکلے یا الٰہی میرا دم
روح میری جس گھڑی ہونے لگے تن سے جدا — ذکر ہو جاری زباں پر ہر گھڑی اور بر ملا

ہر گھڑی اور برملا کا لفظ کس طرح صادق آیا یہ ہر دیکھنے والی آنکھ دیکھ رہی تھی اور ہر سننے والا کان
سن رہا تھا ؎

سفر کرنے لگوں جس دم عدم کا — مرے آگے تری جنت کھڑی ہو
زباں پر ہو ترا بس ذکر جاری — کسی کی فکر ہو اس دم نہ طاری
الٰہی دے زباں کو میری طاقت — کروں میں دم بدم ذکر شہادت
خوشی سے دے کے میں ایمان جاؤں — اور ترے احکام پر قربان جاؤں

اس طرح کے سیکڑوں اشعار ہیں جو ان کی مناجاتوں کی کتابوں میں ہیں۔ نمونتاً چند شعر تحریر
کئے گئے۔ اسی طرح ان کی ایک قلمی کتاب میں ایک طویل دعا ہے جس میں دین و دنیا کی ہر نعمت مانگی
ہے اور آخر میں اپنے خاتمہ بالخیر کی تفصیلی دعا کی ہے اور رحمت الٰہی کی درخواست کی ہے
آخری لمحات میں چمچے کے ذریعہ منہ میں زمزم مسلسل ٹپکایا جاتا رہا اور وہ فوراً حلق میں اتر جاتا

ہم لوگ عصر کی نماز پڑھنے گئے نماز پڑھتے ہی فوراً آگئے ذکر مسلسل جاری تھا۔ خاندان کے
اور افراد جمع ہوگئے مجمع بڑھتا گیا اور مختلف لوگوں نے آہستہ آہستہ سورہ یٰسین پڑھنی شروع
کی۔ تلقین کی ضرورت اس لئے محسوس نہیں کی گئی کہ وہ خود ذکر کر رہی تھیں۔ میں نے تین بار سورہ یٰسین
پڑھی اسی طرح تین، تین بار، چار، چار بار مختلف حضرات نے سورہ یٰسین پڑھی۔ محترمہ خالہ صاحبہ
امۃ اللہ تسنیم صاحبہ کہتی ہیں کہ سورہ یٰسین کے بعد میں یہ دعا برابر پڑھتی رہی تھیں۔

اللھم بارک لی فی الموت وفیما بعد الموت وتب علینا قبل الموت
وھون علینا سکرات الموت۔

اے اللہ موت بابرکت دے اور موت کے بعد برکت نازل کر اور موت سے پہلے
توبہ نصیب کر اور موت کے سکرات کو ہم پر آسان کر۔

وہ کہتی ہیں کہ یہ دعا مجھ کو آپا بی بی نے ایک عزیز کے انتقال کے وقت پڑھنے کو بتلائی تھی
چھ بجنے میں پندرہ منٹ باقی تھے کہ ذکر بند ہو گیا اور فضا میں سکوت طاری ہو گیا۔ چند
سکنڈ ہی گذرے تھے کہ معلوم ہوا کہ روح تن سے جدا ہو گئی انا للہ وانا الیہ راجعون
عمر بھر عبادت الٰہی اور ذکر مولیٰ میں محنت و مشقت اٹھانے والی نیک خاتون اپنے محبوب مولا کے پاس پہونچ گئی اور
عمر بھر کی بیقراری کو قرار آگیا ؎

جان ہی دیدی جگر نے آج پائے یار پر
عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا

عموماً کسی کے انتقال کے وقت حاضرین پر ایک گھبراہٹ سی رہتی ہے اور مرنے کے بعد
قریبی تعلق رکھنے والوں پر وحشت اور غم و اندوہ کا عالم طاری ہو جاتا ہے مگر یہاں اس کے بالکل
برعکس تھا سکینت و طمانیت کی فضا قائم تھی۔ اس طمانیت و سکینت کا اثر ہر ایک کے دل پر طاری
تھا۔ اور اس مبارک موت پر ہر ایک مطمئن تھا اور ایسی ہی موت کی تمناؤں میں جاگ اٹھی تھی۔ اور
جانے والی اس نیک بی بی کے ایسے مبارک سفر آخرت اور ان کی خوش نصیبی و خوش بختی پر ہر ایک کو
رشک سا آنے لگا اور ان کی دعا انہیں کے الفاظ میں پوری طرح قبول ہوئی۔

ہوں پوری آرزوئیں سب اٹھوں دنیا سے خوش ہو کر — ہو میری خوش نصیبی کا الٰہی تذکرہ گھر گھر

انتقال کے بعد ہی لکھنؤ، کانپور، فتحپور، دہلی، اطلاع کی گئی اور رات ہی رات سارے تعلق والے آگئے۔ رات ایسی پر سکینت گذری اور دلوں پر ایسی کیفیت طاری رہی جس کا الفاظ میں ذکر نہیں کیا جا سکتا۔

رات کو میری آنکھ کھلی کہ ۲ بجے کے قریب ماموں جی (مولانا علی میاں) قریب ہی دوسرے کمرے میں اپنی والدہ ماجدہ کی مناجات بڑے درد و سوز کے ساتھ پڑھ رہے تھے۔ وہ شعر کیا تھے مجھے اب یاد نہیں لیکن ایسے عالم میں جبکہ رات کا سناٹا تھا ان کے سننے سے عجب کیف و سرور محسوس ہو رہا تھا۔ نماز فجر سے پہلے غسل دیا گیا اس کا اہتمام کیا گیا کہ ساری عمر سنت کا خیال اور اہتمام رکھنے والی بی بی کا غسل بھی سنت کے مطابق ہو۔ آپا بی کی ایک صاحبزادی امۃ اللہ تسنیم بہشتی زیور لیکر کھڑی ہو گئیں اور دوسری بڑی صاحبزادی میری والدہ ماجدہ غسل دینے والیوں میں شریک ہو گئیں اور ایک ایک سنت کا لحاظ رکھتے ہوئے غسل دیا گیا اور آٹھ بجے آخری زیارت کر کے جنازہ باہر لایا گیا۔ میدان میں ان کے صاحبزادے مولانا ابوالحسن علی ندوی نے نماز جنازہ پڑھائی اور لوگوں نے کاندھا دینا شروع کر دیا۔ آخر آخر تک کثرت ہجوم کی وجہ سے کئی آدمیوں کو کاندھا دینے کی نوبت نہ آئی اور صرف پایا چھو کر رہ گئے۔ مسجد کے جنوب مشرق میں خاندان کے مورث اعلیٰ حضرت شاہ علم اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا روضہ ہے جس میں ان کے اور ان کے خاندان کے مختلف خوش قسمت لوگوں کے چند مزارات ہیں جن میں مرحومہ کے عظیم المرتبت شوہر مولانا سید عبدالحی صاحب کا مزار بھی ہے انھیں کے پہلو میں مشرقی جانب ۸ ½ بجے صبح اس بزرگ ہستی کو جس کی بدولت پورے خاندان پر خیر و برکت کا نزول ہو رہا تھا اور مسلسل ذکر و عبادت سے گھر کا گھر رحمت الٰہی کا مرکز بنا تھا۔ سپرد خاک کیا گیا آدمیوں کی کثرت کی وجہ سے مٹی دینے میں پون گھنٹہ لگا تقریباً ۹ ¼ بجے ہم لوگ یہ دعا کرتے ہوئے روضہ سے باہر نکلے ؎

زندگانی تھی تری مہتاب سے تابندہ تر
خوب تر تھا صبح کے تارے سے بھی تیرا سفر
مثل ایوان سحر مرقد فروزاں ہو ترا
نور سے معمور یہ خاکی شبستاں ہو ترا
آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

مقدمہ باب رحمت

ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اب سے چھیالیس سال پہلے محترمہ خیر النساء صاحبہ بہتر کا سب سے پہلا مجموعۂ مناجات "باب رحمت" کے نام سے شائع ہوا تھا۔ اس مجموعہ پر ان کے بڑے صاحبزادے ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب مرحوم نے مقدمہ لکھا تھا وہ مقدمہ پیش کیا جاتا ہے

الٰہی، اے رحیم و کریم، اے سب کے بنانے والے اور پالنے والے اور بھٹکنے والوں کو سیدھی راہ دکھانے والے، اے میرے مالک، اے میرے مولا، اے وہ جو سب سے بڑا ہے اور سب چھوٹوں کو ہر وقت یاد رکھتا ہے۔ تو ہمیں توفیق دے کہ ہم تجھے یاد رکھیں ہم تیری ذلیل مخلوق اور تیری یاد "چھوٹا منہ، بڑی بات" ہے ہمیں تجھ سے کیا علاقہ اور کیا نسبت، بندگی کی نسبت ہے تو وہ تیرے ہی کرم کی رہین منت ہے

منت منہ کہ خدمت سلطاں ہمی کنم
منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت

اے مالک، تو اتنا بڑا ہو کر ہمیں کسی دم نہیں بھولتا۔ پھر ہم تجھے کیونکر بھول جائیں۔ تیری دی ہوئی چیزوں میں ہمارے پاس جو سب سے اچھی چیز ہے وہ ہمارا دل ہے۔ اے مالک آجا اور ہمارے دل میں متمکن ہو جا

ہمارے پاس ہے کیا جو فدا کریں تجھ پر
مگر یہ زندگی مستعار رکھتے ہیں!

اے مالک ہمارے دل اس قابل نہیں کہ ان میں تیری تجلی ہو، اے مولیٰ یہ ہماری گستاخی ہے کہ ہم اپنے تئیں تیری یاد کے قابل سمجھتے ہیں اور اپنے دل میں تجھے اتارنا چاہتے ہیں۔ مگر اس گستاخی پر ہم مجبور ہیں ہم تجھے بہت بھلاتے ہیں مگر جب دنیا کی بظاہر شیریں دلچسپیوں کی اندرونی تلخیاں ہم محسوس کرنے لگتے ہیں

جب ماسوا کی یاد کی کدورتیں دل کے لئے موت کا آخری پیام لاتی ہیں تو ہم تجھے یاد کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ اے مالک ہم کتنے خود غرض ہیں کہ ہم تجھے تیرے لئے نہیں بلکہ اپنے لئے یاد کرتے ہیں ہم تجھے اپنے دل کی زندگی کے لئے یاد کرتے ہیں! مگر یہ دل تو تیرا ہی دل ہے تیرے ہی کہنے سے ہم تجھے یاد بھی کرتے ہیں تو ہی تو فرماتا ہے۔ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب۔ (سن لو اللہ ہی کو یاد کر کے دلوں کو تسکین ہوتی ہے) اے مالک، اگر ہم تیری یاد کے قابل نہیں اور درحقیقت نہیں ہیں تو ہمیں اس قابل کر دے کہ ہمارے دل تیری تجلی سے منور ہو سکیں

نہ کر تو خانۂ دل کی خرابی
کہ گھر تیرا ہے کچھ میرا نہیں ہے

اے مالک، تیرے پیامبر ﷺ جسے تو نے ساری دنیا کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے ہم نے یہ سنا ہے کہ تجھے بہت بھاتا ہے کہ تیرے ذلیل بندے تجھے یاد کریں، اے مالک یہی سن کر تیرا یہ گنہگار بندہ یہ مجموعہ شائع کرتا ہے اس کے شائع کرنے کی تحریک اس خیال سے نہیں ہوئی کہ اس سے اردو کی ادبیات میں اضافہ ہوگا، اے مالک نکتہ سنجیوں اور نازک خیالیوں کی اردو زبان میں کمی نہیں اے مولا! اس سے مقصد یہ ہے کہ جب دنیا کی آلودگیوں سے تیرے کسی بندے کی روح پژمردہ ہو رہی ہو اور جب ناکامیاں اس کے دل کو آماجگاہ حسرت و یاس بنا رہی ہوں اور وہ گھبرا کر اور سب طرف سے مایوس ہو کر تجھے پکار اٹھے تو یہ اوراق اس کے مونس و غمخوار ہوں اور تیرے بندہ کو اس سے رشتہ جوڑنے میں مدد دیں الٰہی جس طرح تو نے میری والدہ ماجدہ کو اس کی توفیق دی ہے کہ رات کی تاریکیوں میں جب سارا عالم محو خواب ہوتا ہے اور دن کے شور و غوغا میں جب ایک دنیا زندگی کی کشمکشوں میں ہمہ تن منہمک ہوتی ہے تجھ سے لو لگائی ہے اور ان اشعار میں تجھ سے حال دل عرض کیا ہے اسی طرح اپنے بندوں کو توفیق عطا فرما اور تیرا جو بندہ تیری طرف مائل ہو اور تیرا دروازہ کھٹکھٹائے اس کے لئے تو اپنا باب رحمت کھول دے

الٰہی میری والدہ ماجدہ کی ان مناجاتوں کو شرف قبولیت عطا فرما اور ان کی دعاؤں کو مستجاب کر اور اپنی اور اپنے برگزیدہ نبی کی محبت اور اپنے عرفان سے ان کا اور ان اوراق کے پڑھنے والوں کا دل بھر دے اور اس کے شائع کرنے میں میری نیت میں خلوص اور خلوص میں برکت

(باقی صفحہ ۴۸ پر)

منتخب مناجاتیں

محترمہ خیر النساء صاحبہ بہتر نے اپنی زندگی میں بے شمار مناجاتیں کہی تھیں اور آخر زندگی تک کہتی رہی تھیں، ان مناجاتوں کا سب سے پہلا مجموعہ باب رحمت کے نام سے چھیالیس سال پہلے چھپا تھا جس کا مقدمہ ابھی ابھی آپ کی نظروں سے گذر چکا ہے اس کے بعد کلید باب رحمت کے نام سے دو حصے شائع ہوئے اور مقبول خاص و عام ہوئے، ان ساری مناجاتوں میں چند مناجاتیں نمونے کے طور پر اس شمارہ میں دی جا رہی ہیں آپ بھی پڑھیں اور دعا مانگنے کا سلیقہ اور ان کی کیفیات اور لذت و سرور حاصل کریں

— مرتب

اے بادشاہِ دو جہاں مجھ پر بھی کر فضل و کرم
ہو کر تری جاؤں کہاں کس سے کہوں یہ درد و غم

تجھ سے مری فریاد ہے اے بیکسوں کے دادرس
مجھ کو نہ کر دنیا میں تو اب مبتلائے رنج و غم

تیری صفت رحمٰن ہے اور ہے صفت تیری رحیم
ضائع نہیں کرتا ہے تو محنت کسی کی بیش و کم

اپنے کلامِ پاک میں لا تقنطو تو نے کہا
کیونکر نہ تیرے قول پر یارب رہوں ثابت قدم

آ کر ترے دربار میں کہتی ہوں رو کر اے کریم
مایوس تو مجھ کو نہ کر مشہور ہے تیرا کرم

یہ سر بسر دربار ہے اے مالکِ مختار تو
چاہے کرے لطف و کرم چاہے کرے یہ سر قلم

تیرا ہی یہ دربار ہے آتے ہیں سب شاہ و گدا
پھرتا نہیں خالی کوئی کرتا ہے تو سب پر کرم

ذرہ کو گر چاہے تو ہی اک پل میں کر دے رشکِ قمر
تیری صفت کو دیکھ کر کیوں حوصلہ ہو میرا کم

تو قادر ذیشان ہے شہرت ہے تیرے فضل کی
بہتر نہ اب غمگین رہو اس پر بھی ہو تیرا کرم

۲

تیرے دربار میں ہم روز یہ سر رکھتے ہیں
اور امید یہی شام و سحر رکھتے ہیں

آج پائیں گے اماں رنج و مصیبت سے ہم
کہ دعاؤں کی یہاں خوب سپر رکھتے ہیں

وقت پرسش یہی محشر میں کہیں گے رو کر
ہم ہیں بندے تیرے آگے ترے سر رکھتے ہیں

تو جو چاہے کہے حاضر ہیں گر تو ہے کریم
آسرا بس تیرا ہم روز خطر رکھتے ہیں

اے نکیرین کرو تم تو نہ کچھ ہم پہ عذاب
ذکر احمد سے زباں اپنی تر رکھتے ہیں

کہتے ہی قبر ہو پھر ایسی کشادہ روشن
روشنی جیسی یہاں مد نظر رکھتے ہیں

ہم سے خوش ہو جو خداوند جہاں اے بہتر
خواہش خلد نہ ہم نار سے ڈر رکھتے ہیں

۳

الٰہی اب ہو تیری عنایت خوشی کے دن ہوں خوشی کی راتیں
یہ دور ہو اب تو غم کی حالت خوشی کے دن ہوں خوشی کی راتیں
جہاں کے غم سے یہ دل مٹا ہے خیال کر کے کہ سب فنا ہے
الٰہی دل کو تو ہی دے راحت خوشی کے دن ہوں خوشی کی راتیں
مٹا دے یارب یہ غم کی صورت اٹھاؤں کیونکر نہیں ہے طاقت
خوشی میں گذرے ہر ایک ساعت خوشی کے دن ہوں خوشی کی راتیں
یہ میری اولاد بہرہ ور ہو دعا یہ میری جو پُر اثر ہو
رہے جہاں میں سدا یہ راحت خوشی کے دن ہوں خوشی کی راتیں
یہ باغ عالم میں وہ شجر ہوں سدا جو سرسبز باثمر ہو
اگر ہو مجھ پر بھی یہ عنایت خوشی کے دن ہوں خوشی کی راتیں
تو ہی تو اک سے کرے ہزاروں، ہزار سے کر دے چاہے لاکھوں
ہے تیری قدرت ہے تیری عادت خوشی کے دن ہوں خوشی کی راتیں
اگر جہاں میں یہ دل حسیں ہے یہ بات بہتر کے دل نشیں ہے
الٰہی ہو تیری اگر عنایت خوشی کے دن ہوں خوشی کی راتیں

۴

نہ ہوں کیونکر تصدق اس خدا کے
میں ہوں قربان اس شانِ عطا کے

تسلی دی مجھے اس نے اسی دم
گئی در پر میں جب اس کبریا کے

نہیں تھی میں کسی قابل جہاں میں
مگر سب کچھ دیا اس نے بُلا کے

تمنائے دلی میری یہی ہے
اٹھا لے رنج سے غم سے بچا کے

خوشی میری رہے باقی جہاں میں
میں کر جاؤں سفر آرام پا کے

مجھے بھی کر دے خوش قسمت الٰہی
بس اپنے در کا تو سائل بنا کے

رہائی دے مجھے بھی قید غم سے
نہیں ہے دل میرا قابل سزا کے

رہیں زندہ میرے ماں باپ بھائی
چلوں خوش خوش میں سب کو زندہ پا کے

ہو جینا اور مرنا میرا بہتر
نہ کر رسوا مجھے در در پھرا کے

۵

تجھ سے گر میں کہوں نہ حال دل
کس طرح پھر قرار جاں ہووے

کیوں نہ تجھ سے کہوں میں رو رو کر
ضبط کیونکر یہ اب فغاں ہووے

دل میں طاقت ہے اب نہ ہمت ہے
حالِ دل کس طرح بیاں ہووے

جو ہے مغموم ایک مدت سے
پھر بھلا کیوں نہ نیم جاں ہووے

عفو کر اب مری خطاؤں کو
تو ہی اب مجھ پہ مہرباں ہووے

تیرے لطف و کرم کے صدقے میں
صدمہ و رنج بے نشاں ہووے

تیرے نزدیک کچھ نہیں مشکل
تو جو چاہے نہیں بھی ہاں ہووے

تو جو چاہے گا بس وہی ہو گا
اک طرف گرچہ سب جہاں ہووے

فکر و تدبیر ہیچ ہیں اس جا
حکم تیرا اگر جہاں ہووے

بس رضا پر ترے میں راضی ہوں
حکم تیرا جو کچھ عیاں ہووے

شکر اس کا کرے نہ کیوں بہتر
جو کہ ہر لحظہ مہرباں ہووے

۶

ہوں پوری آرزوئیں سب اٹھوں دنیا سے خوش ہو کر
ہو میری خوش نصیبی کا الٰہی تذکرہ گھر گھر

جو مانگا میں نے وہ پایا یہ وہ شانِ عنایت ہے
نہ تو دیتا ہے کچھ دے کر نہ پچھتاتا ہے تو دے کر

ہزاروں نعمتیں دیدی ہیں تو نے بے طلب مجھ کو
بھلا کیا تو نہ دے مجھ کو جو کچھ مانگوں میں رو رو کر

نہ اُٹھوں گی میں اس در سے کوئی مجھ کو اُٹھا دیکھے
مجھے ہے آرزو جس کی اٹھوں گی میں وہی لے کر

ارے بہتر نہ گھبرا کیا نہیں دیکھی ہے شان اسکی
تری سب خواہشیں بر آئیں گی اک کن کے کہنے پر

۷

نہ کر شرمندہ یارب اب بلا کے
نہ رکھ آزردہ اپنا در دکھا کے
تو کر مقبول اب میری دعا کو
میں ہوں قربان اس شانِ عطا کے
کہاں تک میں غمِ دنیا اُٹھاؤں
کہاں تک میں سہوں صدمے بلا کے
تو اپنی خاص رحمت سے مجھے بھی
اٹھا لے رنج و غم سے بچا کے
یہ تیری ہی عنایت سے ہزاروں
ہوئے ہیں شادماں مقصد کو پا کے
نہیں ہوں گو میں نعمت کی سزاوار
نہ ہوتی کاش قابل بھی سزا کے

ہے بہتر رحمتِ حق سے یہ اُمید
کہ دے گا مجھ کو بھی کچھ ہاتھ اُٹھا کے

۸

ترے ہی در پہ پڑی رہوں گی پڑے ہی رہنے سے کام ہوگا
کبھی تو مجھ پہ کرم کرے گا کبھی تو میرا سلام ہوگا

نہیں میں چھوڑوں گی تیرے در کو نہیں اٹھاؤں گی یاں سے سر کو
کبھی نہ پونچھوں گی چشمِ تر کو نہ میرا جبتک کہ کام ہوگا

کبھی جو ہوگی مری رسائی تو دوں گی رو رو کے میں دُہائی
کہ جان آئی ہے میری لب پر قبول کب یہ سلام ہوگا

تجھی نے بخشی ہے سب کو دولت یہ شیوہ تیرا یہ تیری عادت
ادھر بھی ہو گر تری عنایت خوشی میں یہ سن تمام ہوگا

نہیں ہوں قابل اگر عطا کے نہ کر تو قابل مجھے سزا کے
جو عیب قسمت کے ہیں مٹا دے ترا ہی عالم میں نام ہوگا

زباں گر میری بے اثر ہے کلام تیرا تو پُر اثر ہے
یہی ہے جاری زباں پہ میری تو بے اثر کیوں کلام ہوگا

کرم کی مجھ پر بھی اب نظر کر ہوا ہے جینا مرا یہ دوبھر
تجھی کو کہتے ہیں بندہ پرور کرم ترا ہی تو عام ہوگا

کسی کا احسان کیوں اٹھاؤں جہاں کی نظروں سے کیوں گر جاؤں
تری ہی ہو کر نہ کیوں رہوں میں کہ تیرے در پہ مقام ہوگا

جہاں کی فکروں سے تو چھڑا دے یہ خفتہ قسمت مری جگا دے
مجھے یہ مژدہ ابھی سنا دے کہ تیرا جو ہے وہ کام ہوگا

تجھی سے مانگوں گی جس کے در پر جھکا ہے مدت سے یہ مرا سر
یہی ہے اپنا خیال بہتر جہاں میں جبتک قیام ہوگا

۹

تو ہی دریا سے کرتا ہے حفاظت ہم غریبوں کی
بچائیں تو نے طغیانی سے جانیں بدنصیبوں کی
بچایا نوحؑ کی کشتی کو تو نے جوشِ طوفاں سے
حفاظت تو ہی کرتا تھا جہاں میں سب نبیوں کی
خلیل اللہؑ کو بے داغ رکھا تیری حکمت نے
رہی ناکام تدبیریں وہ ساری ان خبیثوں کی
تجھی نے زندہ رکھا پیٹ میں مچھلی کے یونسؑ کو
خبر لیتا ہے یوں ہی تو زمیں کی تہ میں کیڑوں کی

بھلا چنگا کیا ایوبؑ کو تیری ہی رحمت نے
نہ کوشش کام آئی کچھ نہ تدبیریں طبیبوں کی

تو ہی مونس تو ہی ہمدم ہے زخمِ دل کا تو مرہم
ہے تو ہی روشنی اندھوں کی قوت ہے ضعیفوں کی

یہاں ہو یا وہاں درکار ہے ہم کو کرم تیرا
کرم سے لے خبر جلدی الٰہی ہم اسیروں کی

ترا شیوہ کرم ہے اور مری عادت گدائی کی
نہ ٹوٹے آس اے مولا ترے در کے فقیروں کی

ترے دربار سے مایوس پھر جائیں بھلا کیونکر
کہ تو کرتا رہا ہے خواہشیں پوری حریصوں کی

ادھر بھی ابرِ رحمت آئے اور جم جم کے یوں برسے
کہ ہو سرسبز کھیتی ہم غریبوں بدنصیبوں کی

خزاں میں بھی شجر سرسبز ہو کر پھول پھل لائے
ہو شہرت باغباں کی باغ کی غنچوں کی پھولوں کی

میری اولاد کو بھی یا الٰہی اتنی ہمت دے
کہ ہو کر قوتِ بازو خبر لیں ہم ضعیفوں کی

انھیں کے علم اور اقبال کی شہرت جہاں میں ہوں
ہے شہرت جیسی عالم میں نبی کے ہم نشینوں کی

ابوبکر و عمر عثماں علی میں جتنے جوہر تھے
وہی جوہر ہوں انمیں اور وہی فطرت کریموں کی

ترے دربار سے بہتر کی بھی امید بر آئے
علی ٹھنڈک ہو آنکھوں کی علی راحت ہو سینوں کی

۱۰

ہوئی جو در تک ترے رسائی تو تجھ سے میرا سوال بھی ہے
تو دینے والا کریم بھی ہے تو قادرِ ذوالجلال بھی ہے

تو ہی تو کرتا کرم ہے سب پر تو ہی تو مونس تو ہی ہے رہبر
کریم تو ہے رحیم تو ہے کرم بھی ہے اور جلال بھی ہے

یہ شان دیکھی تری نرالی جو مانگے تجھ سے تو اس سے راضی
بُلا کے دینا کرم ہے تیرا یہ فضل بھی ہے کمال بھی ہے

الٰہی صدقہ کرم کا اپنے ہر ایک غم سے مجھے بچا لے
کہ فکر سے دل مرا حزیں ہے طبیعت اپنی نڈھال بھی ہے

یہاں کسی دم اماں نہیں ہے بہار بھی ہے تو پر خزاں ہے
اگر ہے راحت تو پر فغاں ہے پھر اسکو اک دن زوال بھی ہے

کبھی الم ہے کبھی ہے فرحت کبھی ہے راحت کبھی مصیبت
یہاں کی حالت نہیں ہے یکساں خوشی بھی ہے اور ملال بھی ہے

الٰہی تجھ سے مری دعا ہے تجھی سے ہر دم یہ التجا ہے
ہے شان تیری ہی سب سے اعلیٰ صفت تری بے مثال بھی ہے

نہیں ہے بہتر کو اب گوارا کہ دل ہو یاں رہ کے پارہ پارہ
ملے وہ گھر جس میں لطف بھی ہے کرم بھی ہے اور وصال بھی ہے

۱۱

جو مانگنا ہے جو مانگیں گے خدا سے ہم وہی لیں گے
مچل جائیں گے روئیں گے کہیں گے ہم یہی لیں گے

نہیں دشوار کچھ تجھ کو جو تو چاہے ابھی دیدے
کہ ہم محتاج تیرے ہیں جو تو دے گا وہی لیں گے

ترا فضل و کرم تیری عنایت دیکھکر اسدم
رہیں گے پھر نہ ہم چپ یوں کہیں گے ہم ابھی لیں گے

نہیں گو ہم کسی قابل مگر تیری عنایت ہے
جو تیری شان کے لائق ہے تجھ سے ہم وہی لیں گے

کیا تو نے طلب ہم کو اٹھیں گے ہم نہ اس در سے
نہ جائیں گے نہ جائیں گے ابھی لیں گے وہی لیں گے

ارے بہتر نہ تو گھبرا جو تو مانگے گی پائے گی
کہے گی جب تو یہ رو کر ہم اس دم تو یہی لیں گے

۱۲

گھبرا نہ ہم سے دنیا تجھ میں نہ ہم رہیں گے
اپنا وطن عدم ہے جا کر وہیں بسیں گے

شیوہ ترا دغا ہے شیوہ ترا جفا ہے
تو سخت بے وفا ہے ہم صاف ہی کہیں گے

ہاں تو ستائے ہم کو جتنا ستانا چاہے
کیا ہوگا جب خدا سے فریاد ہم کریں گے